کوئی ایسا اہلِ دل ہو
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام
نبیلہ عزیز
www.paksociety.com

کوئی ایسا اہل دل ہو

نبیلہ عزیز

پیش لفظ

کچھ کردار ایسے ہوتے ہیں جو کبھی کبھی کسی رائٹر کی پہچان بن جاتے ہیں اور رائٹر اپنے نام کی بجائے اُس کردار کے نام سے پہچانا جانے لگتا ہے۔ اُس کے قلم اُس کے لفظوں سے تخلیق پانے والا کردار ہی اُس کی پہچان اُس کی شناخت بن جاتا ہے اور میرے خیال میں ایسے کردار ہی ''شاہکار'' کہلاتے ہیں۔ اور انسان ایسے شاہکار کبھی کبھی ہی تخلیق کر پاتا ہے جو اس کے لیے ہمیشہ کی یادگار اور پہچان بن جاتے ہیں...... جیسے میں نے کبھی بھولے سے بھی یہ تصور نہیں کیا تھا کہ میں بھی کبھی کوئی ایسا کردار تخلیق کر پاؤں گی جو میرے قارئین کے حافظے میں ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو کے رہ جائے گا اور میں خود اسی کردار کے نام سے پہچانی جاؤں گی...... ! یہ فروری 2008ء کی بات ہے، اِن دنوں کچھ بھی لکھنے کا موڈ نہیں ہو رہا تھا لیکن بوریت اور فراغت حد سے زیادہ تھی لہٰذا لکھنے کی بجائے پڑھنے پہ اکتفا کر رہی تھی کہ ایک دن ایک اخبار نظروں سے گزرا، اور اس اخبار کی ایک سرخی نے مجھے بلاوجہ ہی دلچسپی لینے پہ مجبور کر دیا تھا اس سُرخی میں قبائلی علاقے کے کسی سردار کی خبر چھپی تھی جس کی بیٹی تاوان کے لیے اغوا کی گئی تھی اور ابھی تک بازیاب نہیں ہو سکی تھی مگر پنچایت نے پہلے سے ہی اُس لڑکی کے لیے فیصلے سنانے شروع کر دیئے تھے...... اور میں اس خبر کو باقاعدہ تفصیل کے ساتھ پڑھنے کے لیے بیٹھ گئی تھی اور اس ساری تفصیل میں سب سے زیادہ قابلِ رحم اُس لڑکی کا باپ لگ رہا تھا جو ایک سردار ہونے کے ناتے نہ اپنے فرسودہ رسم ورواج چھوڑ سکتا اور نہ ہی ایک باپ ہونے کے ناتے اپنی بیٹی سے منہ موڑ سکتا تھا...... جس کو ذہن میں رکھتے ہوئے بیٹھے بیٹھے سوچ نے اک کہانی ترتیب دے ڈالی تھی اور اس کہانی کے لیے میں نے اور بھی معلومات اکٹھی کی تھیں اور آج وہ کہانی ''کوئی ایسا اہلِ دل ہو'' کی صورت میں آپ کے سامنے حاضر ہے۔ یہ ایک ایسا ناول ہے جس کو لکھنے میں میں نے محض بیس دن لیے تھے، حالانکہ میں ایک مکمل ناول لکھنے میں ایک ماہ لگا دیتی ہوں، اور دو اقساط کا یہ ناول محض بیس دن میں کمپلیٹ کرنا آج تک خود میرے لیے بھی حیرت کا باعث ہے کیونکہ میرے لکھنے کی رفتار اتنی تیز نہیں ہے ...... اور مجھے ابھی تک یقین نہیں آتا کہ میری اتنی لاپروائی سے لکھی جانے والی تحریر کا ایک کردار ''مکتوم شاہ'' میری پہچان میری شناخت بن جائے گا اور ملنے والے مجھ سے ہمیشہ دہرا کے پوچھیں گے کہ ''کیا آپ وہی نبیلہ ہیں جنہوں نے مکتوم شاہ والی اسٹوری لکھی تھی؟'' جبکہ میں ہر بار اس سوال پہ حیرت اور خوشی سے کچھ کہہ ہی نہیں پاتی۔ کیونکہ یہ اسٹوری اتنی پسند کی جائے گی۔

اس کی خود مجھے بھی اُمید نہ تھی لیکن میرے پیارے اور عزیز قارئین نے میری بے یقینی کو یقین دے کر مجھے اپنا مشکور کر لیا ہے اور مشکور تو میں ادارہ علم وعرفان والوں کی بھی ہوں جنہوں نے میری کتاب پہ توجہ دی اور دوبارہ اشاعت کو ممکن بنا کر سب کے سامنے پیش کر دیا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ میں ادارہ علم وعرفان کے کام سے اُن کی لگن سے اور اُن کی دن رات کی محنت سے، بہت متاثر ہوئی ہوں اللہ انہیں دن دُگنی ترقی دے اور کامیابی وکامرانی نصیب کرے...... (آمین)

آپ کی رائے کی منتظر

''نبیلہ عزیز'' (ڈھلیان شریف)

کوئی ایسا اہلِ دل ہو

''میں! کروں گا اس سے شادی۔'' مکتوم شاہ کی آواز اتنی بہت سی آوازوں کو یکدم ساکت کر گئی تھی سب نے حیرانی سے اس کی سمت دیکھا تھا لیکن وہ اسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

اسے اپنی سماعتوں پہ یقین نہیں آیا تھا کہ اتنے چاہنے والوں میں سے کوئی بھی آگے نہیں بڑھا سوائے مکتوم شاہ کے...... اور اس مکتوم شاہ کے جس کا بقول شہزاد کے اپنا کوئی نام و نشان اپنی کوئی شناخت بھی نہیں تھی جس کا کوئی حسب نسب نہیں تھا آج وہی مکتوم شاہ اس کی چادر سے اپنی عزت اور غیرت کا پلو باندھنے کو تیار کھڑا تھا۔

یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ تم بھی تو شاہوں میں سے ہو تم بھی تو اسی خون، اسی نسل کا حصہ ہو تمہاری شادی اس سے کیسے ہو سکتی ہے؟'' مکتوم شاہ کے فیصلے پہ سب سے پہلے چچا فیروز شاہ کو اختلاف ہوا تھا۔

''میں شاہوں میں سے ہوں یا نہیں یہ نہیں جانتا البتہ انسانوں میں سے ضرور ہوں اور اس بات کا پکا یقین ہے اس لئے انسانیت کے خلاف میں کوئی کام نہیں ہونے دوں گا اس کی شادی مجھ سے ہوگی ابھی اور اسی وقت...... پیر سائیں اجازت دیجئے قاضی صاحب نکاح شروع کریں۔''

وہ آگے بڑھ کر صوفے پہ بیٹھ گیا تھا اور بڑی سی چادر میں لپٹی وہ دھواں دھواں ہو گئی تھی اس کا وجود پہلے ہی خاک کا ڈھیر بنا ہوا تھا اس کی ذات بھی دھجیوں میں بکھر گئی تھی اس کے غرور کے پرخچے اُڑ گئے تھے اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ شخص اس پہ کرم کرے گا جس پہ ہمیشہ وہ ستم کرتی آئی تھی اس کے باوجود مکتوم شاہ اس بھری محفل میں اس کے سامنے دیوار کی مانند ڈٹ گیا تھا۔

''اس کا نکاح قرآن سے ہوگا تم مداخلت مت کرو۔'' اب کے بار بڑے چچا نے لب کشائی کی تھی۔

''اس کا نکاح مجھ سے ہوگا یہ میرا آخری فیصلہ ہے اور اس فیصلے سے آپ لوگوں میں سے کوئی بھی مجھے پیچھے نہیں ہٹا سکتا۔'' مکتوم کا لہجہ بے لچک تھا وہ اپنے مقام پہ اپنے فیصلے پر ڈٹ چکا تھا اور پیر سائیں بے جان سے بیٹھے اپنی رسوا عزت اور زندہ بیٹی کی لاش پہ کھڑے رشتے داروں کو دیکھ رہے تھے جن کو کسی کا احساس نہیں تھا بس وہ تو مٹھیاں بھر بھر مٹی ڈالنے کو تیار تھے اب اس مٹی تلے ان کی عزت دب جاتی یا لاڈلی بیٹی ان لوگوں کو بھلا کیا فرق پڑتا تھا اور لوگوں کی اسی بے حسی اور اپنی اسی بے بسی پہ وہ چپ بیٹھے تھے بالکل چپ...... یوں جیسے یہاں ان کی نہیں کسی اور کی بیٹی کی زندگی کا فیصلہ ہو رہا ہو۔

''تم جانتے ہو یہ فیصلہ پنچائیت نے کیا ہے یا اس لڑکی کو کاری کر دیا جائے یا پھر قرآن سے نکاح کر دیا جائے گا اور نکاح کے بعد یہ صرف ایک کمرے میں رہے گی جہاں سے کبھی باہر نکلنے کا سوچنا بھی اس پہ حرام ہوگا۔'' چچا فیروز شاہ نے اس کو پنچائیت کے اس فیصلے سے آگاہ کرنا چاہا جس سے وہ پہلے ہی باخبر تھا۔ ''تو پھر آپ اسے کاری کر دیں۔'' وہ انتہائی سکون سے بولا تھا۔ سب نے چونک کر دیکھا۔

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں کیونکہ آپ کے خیال میں اسے کاری نہ کرتے ہوئے آپ اس کے ساتھ رعایت کر رہے ہیں اور اس کا نکاح قرآن سے کر کے اسے زندگی بخش رہے ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ دونوں صورتوں میں آپ اپنے ہاتھوں سے اس کی زندگی ختم کر رہے ہیں قرآن سے نکاح کرنے اور ایک کمرے میں قید کر دینے کے بعد بھی آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کا فیصلہ درست ہے آپ اس کے ساتھ نرمی برت رہے ہیں؟ ہونہہ! چچا سائیں اس کمرے کی قید سے بہتر قبر اور اس نکاح سے بہتر موت ہوگی اس کے لئے، جو زندگی آپ بخش رہے ہیں وہ زندگی نہیں عذاب زندگی ہے آپ ایک لاش کمرے میں بند کرنا چاہتے ہیں لیکن میں چاہتا ہوں اس لاش کو قبر میں دفن کر دیں۔'' وہ یکدم غصے سے بپھر گیا تھا وہ بچپن سے اس خاندان اور اس علاقے کے قبیلوں کے عجیب عجیب اور سنگدلانہ اصول دیکھتا آ رہا تھا لیکن آج تک بس نہیں چل سکا تھا کہ ان لوگوں کو بے رحم رسم و رواج سے روک لیتا لیکن آج جب موقع مل ہی گیا تھا تو وہ چپ نہیں رہ سکا تھا اور نہ ہی پیچھے ہٹنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

''یہ باتیں ہم بھی جانتے ہیں یہ ہماری بیٹی ہے دشمن نہیں ہے مگر بات اصولوں کی ہے فیصلہ پنچائیت نے کیا ہے اس کا نکاح قرآن سے ہوگا۔''

''اور اگر میں آپ کی پنچائیت کے فیصلے کو نہ مانوں تو؟'' مکتوم شاہ سب سے ٹکر لینے پر تلا ہوا تھا۔

''تو تمہیں یہ گھر، یہ گاؤں، یہ قبیلہ ہمیشہ کے لئے چھوڑنا ہوگا ہمارے فیصلوں سے اور اصولوں سے بغاوت کر کے تم یہاں نہیں رہ سکتے اور نہ ہی اس لڑکی سے شادی کر کے تمہیں یہاں رہنے دیا جائے گا یہ ہمارا ہی نہیں پنچائیت کا بھی فیصلہ ہوگا۔''

''میرے خلاف آپ کا اور پنچائیت کا جو بھی فیصلہ ہو مجھے قبول ہوگا۔'' اس نے بے حد سرد آواز سے کہا اور وہاں موجود تمام افراد کو سانپ سونگھ گیا انہیں مکتوم شاہ سے اس انتہائی اقدام کی امید ہرگز نہیں تھی وہ تو سمجھ رہے تھے کہ اتنے سنگین فیصلے کو سن کر وہ اپنے ارادے سے باز آ جائے گا لیکن اس کے برعکس وہ اپنے ارادوں پہ قائم تھا۔

''اگر آپ نے اس نکاح میں رضامندی نہ بھی دی تب بھی میں یہ نکاح ضرور کروں گا آپ کے اصولوں کو میں کسی کی زندگی سے نہیں کھیلنے دوں گا۔'' اس کے انداز میں رتی برابر فرق نہیں آیا تھا۔

''سوچ لو مکتوم شاہ سب رشتوں سے کٹ جاؤ گے۔''

بڑے چچا نے اسے سمجھانا چاہا۔

''چچا سائیں یہ تو رشتوں سے کٹ جائے گی، آپ کو میرا خیال ہے اس کا کیوں نہیں؟ کیا میں مرد ہوں اس لئے؟ نہیں چچا سائیں یہ سب میرے ہوتے ہوئے نہیں ہو سکتا!

پیر سائیں آپ کیوں چپ ہیں کچھ بولتے نہیں؟ اگر یہ آپ سب کی نظروں میں قصوروار ہے تو اسے قتل کر دیجئے، کاری کر ڈالئے لیکن یوں قرآن سے نکاح کرنا کس حدیث میں لکھا ہے؟ یہ لیجئے قرآن پاک پڑھئے اگر اس میں کسی عورت کا نکاح قرآن سے طے پانا لکھا ہوا ہو تو میں آپ کو نہیں روکوں گا کر دیجئے گا نکاح...... لیکن اس سے پہلے مجھے اس فرسودہ اور ظالمانہ فیصلے کا کوئی ٹھوس وجود اور ثبوت دیجئے یہ قاضی صاحب بیٹھے ہیں یہ مجھے اس بات کے لئے قائل کر لیں تو میں پیچھے ہٹ جاؤں گا بتائیے قاضی صاحب اسلام میں یہ سب جائز ہے اگر ہے تو کونسی حدیث میں لکھا ہے بتائیے مجھے......''

نکاح نامہ پر سائن کرنے کے پندرہ منٹ بعد وہ اسے اپنے ساتھ لے کر حویلی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکال آیا تھا...... رات اپنے سیاہ پر پوری طرح سے پھیلا چکی تھی اور دم توڑتی دسمبر کی سرد آہیں پورے ماحول کو اپنی لپیٹ میں لے چکی تھیں گاڑی کے اندر کی فضا دسمبر کی سرد آہوں سے بھی زیادہ یخ بستہ محسوس ہو رہی تھی حالانکہ ہیٹنگ سسٹم بھی آن تھا پھر بھی ٹھنڈ ایسی تھی کہ ہڈیوں میں اتری جا رہی تھی دونوں طرف مکمل خاموشی تھی غور کیا جاتا تو ایسے عالم میں عموماً دو انسانوں کے دل دھڑکتے ہوئے پائے جاتے تھے جن کی فقط چند منٹ پہلے شادی ہوئی ہو لیکن یہاں تو دلوں کی دھڑکنیں بھی سوچ میں گم اور سپاٹ ہوئی لگ رہی تھیں۔ اگلے پندرہ منٹ میں گاڑی کی سکرین پہ بارش کی بوندوں نے مدھم سا رقص شروع کر دیا تھا پہاڑی علاقہ تھا اس لئے راستہ ناہموار ہونے کی وجہ سے کافی احتیاط سے ڈرائیونگ کرنا پڑ رہی تھی کئی جگہوں پہ گاڑی سلپ ہوتے ہوتے بچی تھی ایسی صورتِ حال میں ڈرائیونگ کرنا بھی ایک خطرناک کام ثابت ہو رہا تھا اس پہاڑی علاقے اور پھر اسلام آباد کی حدود سے نکلتے ہوئے اسے اڑھائی تین گھنٹے لگ ہی گئے تھے اور مین روڈ پہ گاڑی ڈالتے ہوئے اس نے بے دھیانی میں سی ڈی پلیئر آن کر دیا تھا۔

کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے
کہ جیسے تجھ کو بنایا گیا ہے میرے لئے

گلوکار کی بھاری آواز کانوں میں اتری تو وہ یکدم چونک گیا اس کی حساسیت بے دار ہو گئی تھی یہ گانا اگرچہ اسے بے حد پسند تھا لیکن اس وقت وہ یہ گانا ہرگز نہیں سننا چاہتا تھا کیونکہ جب وہ یہ گانا سنتا تھا اسے کسی کے "طنز" بھی سننا پڑتے تھے اور آج جبکہ طنز بھی خاموش تھے پھر بھی اس نے گانا بند کر دیا تھا اور وہ جو لٹے پٹے مسافر کی طرح خاموش بے بس اور تہی داماں بیٹھی تھی اس کو سی ڈی پلیئر آف کرتے دیکھ کر ایک دم سے ضبط کھو بیٹھی اور اپنے ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رو پڑی اور اس کی ہچکیوں کی آواز سننے کے باوجود وہ بے تاثر سے انداز میں ڈرائیونگ میں مصروف رہا تھا کیونکہ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ اپنی بے بسی پہ رو رہی ہے ورنہ اپنی حرکتوں پہ نادم وہ ہرگز نہیں تھی۔

اسے روتے ہوئے نہ جانے کتنی دیر گزر گئی تھی۔ جب اچانک گاڑی کا انجن بند ہو گیا اس نے سر اٹھایا تو گاڑی ایک بے حد خوب صورت ریسٹورنٹ "ٹیولپ" کے آگے کھڑی تھی یہ ریسٹورنٹ دریائے جہلم کے عین کنارے پہ واقع تھا گویا وہ جہلم پہنچ چکے تھے۔

"آؤ کچھ کھا لیتے ہیں ابھی سفر آدھا باقی ہے اور ٹائم بھی کافی ہو رہا ہے۔" وہ جیسے کھانا کھانے کی وضاحت دے رہا تھا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" یہ فقرہ سفر کے دوران وہ پہلی مرتبہ سن رہا تھا۔ "مجھے بھوک نہیں ہے۔" ورنہ تو اس کی بھوک کا یہ عالم ہوتا کہ اسے چھوٹے موٹے ڈھابے پہ گاڑی روکنا پڑ جاتی تھی اور آج اتنے بہترین ریسٹورنٹ کے سامنے آ کر بھی اسے بھوک نہیں تھی اب کی بار اس کی حالت پہ رونا مکتوم شاہ کو آیا تھا کسی سیانے نے سچ ہی کہا تھا کہ بادشاہ فقیر ہو جائے تو فقیروں کو بھی اس پہ ترس آتا ہے بالکل اسی طرح مکتوم شاہ کو بھی اس لمحے اس پر ترس آیا تھا کیونکہ وہ بھی کسی ملکہ سے کم نہیں تھی مگر......

"بھوک نہیں ہے تو چائے پی لو بارش تیز ہو رہی ہے اس لئے سردی بھی بڑھ جائے گی۔" مکتوم شاہ سچ مچ اس پہ ترس کھا رہا تھا ورنہ اس کی منت کرنے کا ارادہ ہرگز نہیں تھا بس ہمدردی نباہ رہا تھا ویٹر کو کھانا آرڈر کرنے کے بعد وہ اپنا موبائل نکال کر کسی سے بات کرنے لگا تھا بات کرتے

کرتے اس کی نظر اس کے چہرے پر پڑی تو ٹھٹک گیا اس کا سر جھکا ہوا تھا لیکن آنسوؤں کے قطرے شفاف ٹیبل کی سطح پہ اک نئی بارش برسا رہے تھے جو باہر کی سرد بارش سے بالکل مختلف تھی گرم گرم نمکین سی...... موبائل آف کر کے وہ پوری طرح سے اس کی سمت متوجہ ہوا تھا۔

''محترمہ آپ اس وقت ایک ہوٹل میں ہیں جو پبلک پلیس ہے آپ کا گھر یا پھر میری گاڑی نہیں ہے جہاں آپ اپنا شوق پورا کر رہی ہیں ابھی زندگی پڑی ہے روتی رہیے گا۔'' مکتوم کا لہجہ استہزائیہ ہو گیا تھا اور وہ اس کے انداز سے مزید بلبلا اٹھی تھی۔

''دیکھو مجھے مشکوک مت کرو، میں لوگوں کو صفائیاں نہیں دے سکتا۔'' اس نے لفظ ''صفائیاں'' پہ خاص زور دیا تھا اور وہ اس لفظ سے جیسے زمین میں گڑ گئی اگرچہ وہ اس پہ چوٹ نہیں کر رہا تھا پھر بھی اس کی بات اس کے دل میں چبھ گئی تھی اور پھر باقی تمام رستے وہ یونہی ساکت وصامت رہی تھی لاہور پہنچ کر وہ جس گھر میں آئی وہ گھر اس کے لئے یکسر اجنبی تھا ایک چوکیدار تھا جوان کو دیکھتے ہی چاق و چوبند ہو گیا تھا۔

''صاحب کھانا لے آؤں؟''

''نہیں کھانا کھا کر آئے ہیں تم جاؤ آرام کرو......''

''ایم سوری مجھے خیال ہی نہیں رہا آؤ تمہیں اوپر چھوڑ دوں۔'' وہ اسے چپ چاپ کھڑے دیکھ کر تیزی سے آگے بڑھا تھا اور وہ اس کی معیت میں سیڑھیاں چڑھتی ایک بیڈروم کے سامنے آرکی تھی وہ دروازے کا ہینڈل گھما کر اندر داخل ہوا اور تمام لائٹس آن کر دیں۔

''یہ بیڈروم میرا ہے اس کے علاوہ ابھی تک میں نے کوئی اور کمرہ سیٹ نہیں کیا اور نہ ہی فرنیچر وغیرہ رکھوایا ہے چند دن تمہیں مجھ کو اور مجھے تم کو برداشت کرنا پڑے گا اور ایک ساتھ رہنا پڑے گا اس لئے جتنے دن تم یہاں رہو گی یہ کمرہ تمہارا بھی اتنا ہی ہو گا جتنا میرا.....'' اس نے اپنے شاندار سے بیڈروم کی طرف اشارہ کیا تھا جس کی سجاوٹ سے ہی اس کے مکیں کی نفاست، پسند اور اعلیٰ ذوق کی ترجمانی ہو رہی تھی اور وہ ہر چیز کو چپ چاپ بس دیکھے جا رہی تھی پھر وہ تو کپڑے بدلنے چلا گیا لیکن وہ بیڈ پہ بیٹھی اپنی سابقہ سوچوں میں چکرانے لگی۔

وہ واپس آیا تو اسے کسی غیر مرئی نقطے کو گھورتے ہوئے پایا تھا رات آدھی سے زیادہ بیت چکی تھی وہ ایک چبھن محسوس کر رہی تھی اور اس چبھن دینے والے کانٹے کو نکالنا چاہتی تھی اسی لئے وہ جب سونے کے لئے لیٹا تو بے حد آہستگی سے بولنا شروع کیا تھا۔

''اگر آپ کے خیال میں میں جھوٹ کہہ رہی ہوں یا آپ کے دل میں کوئی شک ہے تو آپ بھی سب کی طرح......''

''بس آگے ایک لفظ بھی نہ کہنا۔'' وہ یکدم سخت لہجے میں بولتا اس کی سمت پلٹا تھا۔

''میں جانتی ہوں ہر انسان کی سوچ آزاد ہے جہاں انسان نہیں بھی چاہتا وہاں بھی چلی جاتی ہے لیکن اس سوچ سے پہلے میں آپ کو اپنے بارے میں سب کچھ......''

''لیکن میں تمہارے بارے میں کچھ بھی نہیں جاننا چاہتا کیوں کہ تمہارے ماں باپ تمہارے بھائیوں اور تمہارے نیک، با کردار، با اصول اور اعلیٰ خاندان کی طرح مجھے تمہاری صفائیوں کی اور وضاحتوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور آئندہ کبھی سوچنا بھی مت کہ مکتوم شاہ تم پہ شک کرتا ہے یا تمہیں جھوٹا سمجھتا ہے کل جو بھی تھا گزر گیا آج تم میری عزت ہو اور مجھے اپنی عزت پہ اعتماد ہے یہ اعتماد کبھی متزلزل نہیں ہو گا اس لئے اب تم سو سکتی ہو۔''

وہ انتہائی دوٹوک انداز میں ہاتھ اٹھا کر بولا تھا اور وہ خاموش رہ گئی تھی وہ شخص عجیب شخص تھا کبھی غصے اور اجنبیت سے بھرا ہوا اور کبھی اعتماد، مان اور اپنائیت سے مالا مال......اسے ایک بار پھر اپنی حالت زار پہ رونا آنے لگا تھا مگر اب کنٹرول کرنا پڑا کیونکہ بالکل قریب ہی تو وہ سو رہا تھا۔

❁......❁......❁

''شہزاد پڑھنے کے لئے لاہور جا رہی ہے۔'' زرینہ کی اطلاع پہ حرا یکدم اُچھل پڑی تھی۔

''لاہور؟''

''جی ہاں لاہور کی پنجاب یونیورسٹی کو عزت بخشنے کا ارادہ ہے اور پیر سائیں نے اجازت بھی دے دی ہے ان کی ساری پابندیاں صرف ہمارے لئے ہیں اپنی بیٹی کے لئے کھلی چھوٹ ہے۔'' زرینہ کے لہجے سے جلن اور بدگمانی کی بو آ رہی تھی جبکہ حرا کو خوشی ہوئی تھی۔

''اس میں ان کا کیا قصور ہے پڑھنے کے لئے کوشش ہمیں کرنی چاہیے تھی کالج کے بعد ہم ہی آرام سے گھر بیٹھ گئی تھیں انہوں نے نہیں کہا تھا اگر انہوں نے ہم پہ پابندی عائد کرنا ہوتی تو کالج ہی نہ جانے دیتے اور ایک بات تم بھول رہی ہو کہ مومنہ پھوپھو نے بھی یونیورسٹی سے ہی ماسٹرز کیا تھا؟''

''اچھی طرح جانتی ہوں اپنی بہن اور بیٹی کے لئے ہی تو......''

''پلیز زرینہ تم کیوں خوامخواہ بات کو بڑھا رہی ہو اگر تم بھی پڑھنا چاہتی ہو تو ابھی بھی وقت ہے جا کر کہہ دو پیر سائیں سے وہ تمہیں منع نہیں کریں گے۔'' زرینہ اور حرا کی تکرار خاموشی سے سنتی خزینہ رہ نہ سکی اور بالآخر بول ہی پڑی تھی خزینہ، زرینہ کی بڑی بہن اور حرا کی ہونے والی بھابی تھی۔

''اگر انہوں نے منع کر دیا تو؟'' وہ جیسے ان کو دکھانا چاہتی تھی کہ پیر سائیں صرف اپنی اولاد کا بھلا سوچتے ہیں کسی اور کی انہیں کوئی پروا نہیں۔

''اگر انہوں نے منع کر دیا تو تم جیتیں اور ہم ہارے......''

''یہ کیا بات ہوئی بھلا بلکہ یہ کہو کہ اگر مجھے پڑھنے کی اجازت نہ ملی تو پھر شہزاد بھی لاہور نہیں جائے گی۔'' اس نے خزینہ اور حرا کو چیلنج کیا تھا وہ دونوں اک دوسرے کی صورت دیکھ کر رہ گئیں۔

''ٹھیک ہے، ہم شہزاد کو بھی نہیں جانے دیں گے۔'' انہوں نے حامی بھر لی تھی۔

''ہائے کیا ہو رہا ہے؟'' اچانک شہزاد اندر داخل ہوئی تھی۔

''جو ہونا چاہئے۔'' زرینہ اس کے قریب سے گزر کر باہر چلی گئی تھی اور شہزاد آگے بڑھ کر حرا اور خزینہ کے قریب بیڈ پہ آ بیٹھی تھی۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے میرے ساتھ ہی ایڈمیشن لے لیتی۔'' شہزاد کو جان کر خوشی ہوئی تھی یوں شہزاد کا ووٹ بھی زرینہ کے حق میں چلا گیا تھا۔

''لیکن ویکن کچھ نہیں جو پڑھنا تھا پڑھ لیا اب آرام سے گھر بیٹھو اب کیا شہزاد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے حویلی کی تمام عورتیں اُٹھ کر یونیورسٹی چلی جائیں گی؟'' ارمغان شاہ کا لہجہ بے حد سخت تھا محترم زرینہ کے بڑے بھائی تھے۔

''مگر پیر سائیں مجھے اجازت دے چکے ہیں۔''

''تم نے اجازت مانگی انہوں نے دے دی اب میں منع کر رہا ہوں اس لیے تم کہیں نہیں جاؤ گی بات ختم۔''

''لیکن لالا جی شہزاد بھی تو پڑھنے کے لئے جا رہی ہے وہ بھی اتنی دور......''

اگر شہزاد خدانخواستہ مر گئی تو کیا تم بھی مر جاؤ گی؟''

ارمغان شاہ جھنجھلا چکا تھا زرینہ بے بس ہو گئی اور اپنی اس بے بسی پہ کھولتے ہوئے وہ باہر نکل آئی لیکن رات کھانے کے وقت پیر سائیں نے یہ قصہ دوبارہ سے چھیڑ دیا تھا۔

''کیوں ارمغان شاہ تمہیں زرینہ کے آگے پڑھنے پہ کیا اعتراض ہے۔'' پیر سائیں کا ٹھہرا ہوا نرم لہجہ زرینہ کے لئے حمایت لئے ہوئے تھا خزینہ اور حرا نے بیک وقت زرینہ کو دیکھا وہ نظر چرا گئی تھی۔

''یہ میری بہن ہے اسے میں جانتا ہوں یہ بہت جذباتی ہے اور جذباتی لوگ دنیا کے اس جنگل میں یا تو آگ لگا دیتے ہیں یا پھر آگ کی نذر ہو جاتے ہیں اس لئے میں نہیں چاہتا کہ اسے کوئی نقصان، کوئی تکلیف ہو جس کے لئے بہتر یہی ہے کہ یہ گھر میں رہے۔'' ارمغان شاہ کے جواز پہ سب کو حیرانی ہوئی تھی۔

''تو کیا شہزاد جذباتی نہیں ہے؟'' زرینہ جھٹ سے بولی تھی اور ارمغان شاہ نے ملامتی نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔

''تمہارے جذباتی پن کا یہی ثبوت دیکھ لو کہ تم سے خاموش نہیں بیٹھا جا رہا۔'' ارمغان شاہ کی بات پہ وہ ٹپٹا گئی تھی جبکہ پیر سائیں اور باقی سب بے ساختہ مسکرا دیے تھے۔

''میرا خیال ہے کہ زرینہ کو اب اجازت مل ہی جانی چاہئے۔'' میراں بی بی نے بھی نرمی سے حمایت کی اور پھر اسے اجازت تو مل گئی لیکن اسلام آباد یونیورسٹی کے لئے اور ویسے بھی لاہور یونیورسٹی کی ایڈمیشن ڈیٹ آج سے چار روز پہلے ختم ہو گئی تھی البتہ فائن آرٹس کے داخلے اوپن ہو چکے تھے لیکن وہ فائن آرٹس سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتی تھی اپنی ہی ضد گلے پڑ گئی تھی۔

❁......❁......❁

''مکتوم شاہ کہاں ہو اس وقت؟'' وہ اپنی جیب سے گاڑی کی چابی نکال کر گاڑی سٹارٹ کر رہا تھا جب اچانک ہی پیر سائیں کی کال آ گئی تھی۔

''جی میں بس نکل ہی رہا ہوں آپ نے جو کام کہے تھے سب ختم کر لئے ہیں۔'' اس نے اس لئے کہ وہ پریشان نہ ہوں فوراً وضاحت دی تھی۔

''ارے کاموں کو گولی مارو آتے ہوئے ہاسٹل سے شہزاد کو بھی لیتے آنا اس کے ایگزام ختم ہو گئے ہیں۔'' پیر سائیں نے جو کام کہا وہ اسے خاموش کرنے کے لئے کافی تھا۔

''ہیلو سن رہے ہو نا؟''

''جی لے آؤں گا۔'' اس نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے کال بند کی تھی اب اسے اسلام آباد کا رخ کرنے سے پہلے شہزاد کے ہاسٹل کی سمت جانا تھا۔

وہ کبھی بھی اسے لینے جاتے ہوئے دل سے رضامند نہیں ہوتا تھا ہمیشہ مجبوری اور مروت کے مارے جانا پڑتا تھا اور وہ ہمیشہ اسے دیکھ کر ناک بھوں چڑھاتی تھی اور جہاں موقع ملتا وہاں طنز کے تیر چھوڑنے سے بھی باز نہیں آتی تھی اس نے ہاسٹل کے احاطے میں گاڑی پارک کی اور نیچے اتر کر گہری سانس کھینچی جیسے اپنے آپ کو برداشت کے لئے تیار کر رہا ہو پھر ذرا سنبھل کر قدم آگے بڑھا دیئے تھے وارڈن اسے جانتی تھیں اس لئے ڈرائنگ روم میں لے آئی تھیں۔

''آپ بیٹھیں میں آپ کے لئے چائے اور شہرزاد کو بھجواتی ہوں۔''

''شکریہ! چائے کی کوئی ضرورت نہیں ذرا جلدی نکلنا ہے آپ پلیز شہرزاد کو بلا دیں وہ یقیناً تیار ہی ہوگی۔'' اس نے وارڈن کو خاطر مدارت سے روک دیا تھا ایک دفعہ پیر سائیں یہاں آ چکے تھے اور اس ہاسٹل کی مزید ترقی کے لئے ایک بھاری رقم بھی دے کر گئے تھے اس حوالے سے وہ کچھ زیادہ ہی مہمان نواز ہو جاتی تھیں اور جب سے شہرزاد یہاں آئی تھی سب سے زیادہ آمد مکتوم شاہ کی ہوئی تھی کبھی وہ اسے کیش دینے کے لئے آتا کبھی اسے چھوڑنے کے لئے اکثر اسے لینے کے لئے آتا تھا کیونکہ وہ بھی لاہور میں ہی ہوتا تھا آج کل سی ایس ایس کی تیاریوں میں مصروف تھا اور پیر سائیں اکثر شہرزاد کے کام اس کے ذمے لگا دیتے تھے۔

چند منٹ بعد ڈرائنگ روم میں محترمہ شہرزاد کی تیکھے نقوش سے مزید صورت دکھائی دی تھی جس میں سے چند نقوش مکتوم شاہ کو دیکھنے کے بعد مزید تیکھے ہو گئے تھے اس نے اس کے قریب آ کر اپنے سامان سے بھرا بیگ پٹخ دیا تھا۔

''باقی سب مر گئے تھے کیا؟''

''یہ تو جا کر ہی پتہ چلے گا بس آپ کے چلنے کی دیر ہے۔''

وہ بھی سرد مہری سے کہتا اس کا بیگ اٹھا کر باہر نکل آیا تھا اور وہ اس کے جواب پہ تلملاتی ہوئی اس کے پیچھے نکلی تھی ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا تھا کہ وہ اس کی جلی کٹی باتوں کے جواب میں کچھ کہتا مگر جب کہتا تب آگ لگا دینے کی حد تک کہہ دیتا اور وہ گھنٹوں نہیں دنوں اور مہینوں کے حساب سے سلگتی رہتی تھی۔

''یہ آدمی کون ہے شہرزاد کے ساتھ؟'' ہوا کے دوش پہ کوئی نسوانی آواز راہداری سے نکلتے ہوئے شہرزاد اور مکتوم شاہ کے کانوں سے ٹکرائی تھی۔

''شہرزاد تو کہہ رہی تھی ہمارا ملازم ہے لیکن مجھے تو وہ کہیں سے بھی ملازم نہیں لگتا۔'' جواباً دوسری آواز نے جو کچھ بیان دیا وہ مکتوم شاہ کے لئے مر جانے کے مترادف تھا اور شاید شہرزاد کے ان طعنوں سے وہ مر ہی جاتا اگر اس کے دل میں یہ طعنے اور طنز ختم کرنے کی آرزو اور جستجو نہ ہوتی وہ اس وقت بھی ضبط کر گیا تھا۔

''ویسے یار پرسنالٹی تو غضب کی ہے۔ اسی لئے تو کہتے ہیں کہ خان زادے اور سید زادے ہوتے بہت خوبصورت ہیں اور دور سے ہی پہچانے جاتے ہیں ان کی پہچان ان کی آنکھوں سے ہوتی......''

''شٹ اپ، جسٹ شٹ اپ تم لوگ اپنی بکواس بند نہیں کر سکتیں ہر ایک پہ فدا ہونا اور ہر ایک پہ کمنٹس پاس کرنا تم لوگوں پہ فرض ہو چکا ہے؟'' شہرزاد چلتے چلتے جھٹکے سے پیچھے مڑی تھی اور اپنے پیچھے آتی اپنی کلاس فیلوز سے اُلجھ پڑی وہ بھی اسی ہاسٹل میں رہتی تھیں شہرزاد کی ان سے اچھی

خاصی ہائے ہیلو تھی لیکن اس وقت وہ دونوں اسے زہر لگ رہی تھیں۔ مکتوم شاہ کے قدم بھی ٹھٹک گئے تھے اس نے ذرا کی ذرا گردن موڑ کر غصے سے بھری شہزاد اور حیرت سے ہکا بکا کھڑی ان دونوں لڑکیوں کو دیکھا پھر آگے بڑھ کر اپنی گاڑی نکالنے لگا تھا گاڑی نکالنے کے بعد اسے دس منٹ اس کا انتظار کرنا پڑا تھا اور جب وہ آ کر گاڑی میں بیٹھی تب بھی بڑبڑا رہی تھی۔ وہ خاموشی سے گاڑی روڈ پہ ڈال چکا تھا تقریباً آدھا سفر طے کرنے کے بعد وہ بری طرح اُکتا گئی تھی۔

''مسٹر ڈرائیور مجھے بھوک لگ رہی ہے براہِ مہربانی کچھ کھلا دیجئے۔'' اس کے انداز میں طنز تھا۔

''اب اسلام آباد پہنچ کر ہی کچھ کھانے کو ملے گا یہاں قریب کوئی بھی اچھا ریسٹورنٹ نہیں ہے۔'' وہ گاڑی کی اسپیڈ بڑھاتے ہوئے بولا اور ساتھ ہی اس کا دھیان کھانے کی طرف سے ہٹانے کے لئے سی ڈی پلیئر آن کر دیا تھا۔

کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے
کہ جیسے تجھ کو بنایا گیا ہے میرے لئے
تو اب سے پہلے ستاروں میں بس رہی تھی کہیں
تجھے زمیں پہ بلایا گیا ہے میرے لئے

مکتوم شاہ کا بے حد پسندیدہ گانا گونجنے لگا تھا اور شہزاد کے چہرے کے تیور بگڑ گئے تھے۔

''میں تم سے پہلے بھی کہہ چکی ہوں کہ میری موجودگی میں یہ گھسا پٹا اور خوش فہم سا گانا مت لگایا کرو کسی روز سارا ساؤنڈ سسٹم توڑ کے رکھ دوں گی ہونہہ! اس سے تو بہتر ہے ایف ایم لگا دو......'' وہ نخوت سے کہہ رہی تھی اسے اس گانے سے اسی لئے چڑ تھی کہ وہ مکتوم شاہ کو پسند تھا اور وہ گاڑی میں کئی بار سنتا تھا۔

اس نے انتہائی شرافت سے سی ڈی پلیئر آف کیا اور ایف ایم سرچ کرنے لگا۔

میں جانتا ہوں کہ تو غیر ہے مگر یونہی
کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے
کہ جیسے تجھ کو بنایا گیا ہے میرے لئے!

پبلک ڈیمانڈ شو آن ایئر تھا اور وہاں بھی کسی کی فرمائش پہ وہی گانا شہزاد کا پارہ ہائی کر رہا تھا وہ لب بھینچ کر باہر دیکھنے لگی مکتوم نے ایف ایم کو بھی خیر باد کہا اور گاڑی ایک ریسٹورنٹ میں پارک کی تھی۔

''میں اندر نہیں آؤں گی۔'' اس نے فوراً اطلاع دی مجبوراً تھوڑی دیر بعد وہ کھانے سے بھری ٹرے اٹھائے آ گیا تھا اور پھر جتنی دیر وہ گاڑی میں بیٹھی کھانے میں مصروف رہی وہ باہر کھڑا گاڑی سے ٹیک لگائے سگریٹ سے دل جلاتا رہا تھا پھر برتن واپس کر کے آیا تو اس کے ہاتھ میں مختلف کولڈ ڈرنکس کے ٹن، چپس، چاکلیٹس اور بسکٹ کے پیکٹ تھے جو آ کر اس نے اسے تھما دیئے گویا وہ اگلے سفر میں لگنے والی بھوک کا انتظام کر کے آیا تھا۔

❁......❁......❁

''مجھے اس کی شکل سے بھی نفرت ہے اور آپ ہر بار اس لینے کے لئے بھیج دیتے ہیں، اتنے لمبے سفر میں اسے برداشت کرنا میرے لئے مشکل ہو جاتا ہے۔'' وہ میراں بی بی کے سامنے جھنجلا رہی تھی اور میراں بی بی اس کی باتوں سے جھنجلائی ہوئی تھی۔

''مجھے صرف اتنی بات بتا دو کہ مکتوم کے خلاف تمہارے دماغ میں یہ خناس کس نے بھرا ہے؟''

''یہ خناس نہیں حقیقت ہے اماں سائیں ہمارا اس سے کوئی رشتہ نہیں پتہ نہیں کون ہے کون نہیں، آپ لوگوں نے اسے سر پہ چڑھا رکھا ہے کیا ثبوت ہے سوائے ایک عورت کے کہنے کے وہ خیام شاہ کا بیٹا ہے اور بقول آپ کے ان کا قتل تو کالج لائف میں ہی ہو گیا تھا پھر یہ بیٹا کہاں سے آ گیا؟ اور فرض کریں کسی عورت کے ساتھ ان کے ناجائز تعلقات تھے بھی تو کیا ہم ''ان تعلقات'' کو اپنے گلے کا ہار بنا لیں؟ بی بی جان اس پہ جان چھڑکتی ہیں تو یہ ان کی ممتا کی مجبوری ہے وہ اپنے بیٹے کی اولاد کو ٹھکرا تو نہیں سکتیں چاہے وہ جائز ہو چاہے ناجائز، لیکن ہم تو مجبور نہیں ہیں نا ہمیں اسے ذرا......'' میراں بی بی کا ہاتھ اٹھا اور بیٹی کے چہرے پہ نقش ہو گیا تھا اس کی باتیں ان کی برداشت سے باہر ہو گئی تھیں۔

''مجھے اُمید تھی کہ میری بیٹی میری اولاد جو اتنے بھرے پرے خاندان میں بھی الگ نظر آتی ہے اس کی سوچ اور خیالات بھی الگ ہی ہوں گے مگر اتنے الگ ہوں گے کہ مجھے سن کر کراہت آنے لگے گی میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی، تف ہے میری تربیت پہ آج تمہاری باتوں سے اندازہ ہو رہا ہے انتہائی گھٹیا اور غلیظ سوچ ہے تمہاری، لیکن ایک بات یاد رکھو جس طرح تم ایک سیدزادی ہو اسی طرح وہ بھی ایک سیدزادہ ہے اگر اس کے سیدزادہ ہونے میں تمہیں شک ہو سکتا ہے تو یہ شک وہ بھی تم پہ کر سکتا ہے تمہارے پاس کیا ثبوت ہے کہ تم سیدزادی ہو؟ تمہارا باپ کون ہے؟ تمہارا حسب نسب کیا ہے؟ تمہیں بھی تو ایک عورت نے جنم دیا اور یہ بتایا تھا کہ کلام شاہ تمہارے باپ ہیں اس کے علاوہ کیا ثبوت ہے؟ پھر بھی تم سیدزادی کہلاتی ہو؟

شاید اس لئے کہ یہ بھی قدرت کا ایک نظام ہے ہر انسان کو اس کی ماں سے ہی پتہ چلتا ہے کہ وہ کس کی اولاد، کس کا خون ہے ورنہ سگا باپ بھی یقین سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ میری اولاد ہے اللہ نے اس بھید پہ پردہ اپنے اور ایک ماں کے بیچ رکھا ہے جسے کبھی کوئی بھی نہیں جان سکتا اس لئے آئندہ اس بارے میں بولنے سے پہلے زبان سنبھال کر بات کرنا کیونکہ مکتوم شاہ کے ماں باپ مر چکے ہیں اور مرے ہوئے لوگوں پہ تہمت لگانے کی اجازت میں تمہیں کبھی نہیں دے سکتی اور نہ ہی یہ حرکت اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔''

میراں بی بی اپنی بیٹی کے چودہ طبق روشن کر چکی تھیں وہ اپنے چہرے پہ ہاتھ رکھے بے یقینی سے انہیں دیکھ رہی تھی جنہوں نے کسی اور کی اولاد کی خاطر اپنی چہیتی بیٹی پہ ہاتھ اٹھایا تھا اور میراں بی بی کی منگوائی ہوئی کچھ چیزیں دینے کے لئے آتے مکتوم شاہ کے قدم کمرے سے باہر ہی تھم کر رہ گئے وہ ماں بیٹی کی گفتگو سن کر واپس پلٹ آیا تھا دل کا ایک کونا میراں بی بی کی اتنی محبت پہ مشکور ہو رہا تھا اور دوسرا کونا شہرزادی کی باتوں سے ناسور بن گیا تھا اور یہ سب کچھ تو تب سے ہو رہا تھا جب سے اس نے ہوش سنبھالا تھا۔

❁......❁......❁

سردار صابر شاہ اپنے علاقے اور اپنے قبیلے کے کرتا دھرتا مانے جاتے تھے ان کے حکم سے سرتابی آج تک نہ ان کی اولاد کر سکی تھی اور نہ ہی اس علاقے کا کوئی فرد کر سکا تھا ان کے چار بیٹے کلام شاہ، خیام شاہ، بہروز شاہ اور فیروز شاہ تھے اور صرف ایک بیٹی تھی مومنہ شاہ۔

کلام شاہ کی دلچسپی اپنے علاقے اپنے لوگوں سے تھی ان کے اپنے قبیلے کے رسم و رواج اور سب اصول بہت اچھے لگتے تھے کیونکہ ان کے خیال میں ان کے اصول امیر، غریب سب کے لئے یکساں تھے کوئی ناانصافی نہیں ہوتی تھی اور یوں کوئی بھی روایات کے دائرے سے باہر نہیں نکل سکتا تھا سب اک زنجیر میں بندھے ہوئے تھے کوئی کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کر سکتا تھا لیکن ان کے برعکس خیام شاہ کو ان کاموں سے بالکل بھی دلچسپی نہیں تھی ان کا رجحان اپنی تعلیم کی طرف تھا باپ سے ضد کر کے کالج میں ایڈمیشن لیا اور رہنے کے لئے شہر والے بنگلے میں آ گئے......انہی دنوں سردار صابر شاہ کے فیصلے پہ کسی کو اختلاف ہو گیا بات بڑھتی گئی اور معاملہ جانی دشمنی تک جا پہنچا تھا اس بات کا خیام شاہ کو بھی علم ہو چکا تھا اس نے باپ اور بڑے بھائی کو بات درگزر کرنے کا مشورہ دیا تھا لیکن ان میں سے کوئی بھی ماننے کو تیار نہیں ہوا تھا۔

''تو تم کیا چاہتے ہو کہ بزدل اور بے غیرتوں کی طرح چپ ہو کر بیٹھ جائیں، یہ فیصلہ سردار صابر شاہ نے کیا تھا کسی ایرے غیرے نے نہیں۔'' کلام شاہ بھڑک اٹھے تھے۔

''دیکھئے لالا سائیں! آخر بیٹی کا معاملہ ہے اپنی بیٹی اپنے ہی ہاتھوں سے دشمنوں کو سونپ دینا اتنا آسان نہیں ہے خون بہا میں دینے کے لئے کسی اور چیز کا بھی تو فیصلہ ہو سکتا ہے......'' وہ اپنے بڑے بھائی کو تحمل سے سمجھا رہے تھے حالانکہ خود بھی پریشان تھے لیکن اپنی پریشانی دبا گئے تھے۔

''خیام شاہ! ہمیں امید نہیں تھی کہ تم اتنے بزدل ہو چکے ہو کیا تمہاری تعلیم نے تمہیں یہی سکھایا ہے کہ دشمن للکارے اور جواب بھی نہ دو، بزدل بن جاؤ۔'' کلام شاہ کو اپنے سے چھوٹے بھائی پہ تاؤ آ رہا تھا اور خیام شاہ کی چہرے کی رنگت پہ اک سایہ سا لہرا گیا تھا پھر بھی اپنے موقف سے پیچھے نہیں ہٹے تھے۔

''لالہ سائیں یہ بزدلی نہیں کسی کے ساتھ بھلائی ہے نیکی ہے آپ خود سوچئے اس باپ کے دل پہ کیا گزر رہی ہو گی جس نے اپنی بیٹی کو اتنے لاڈ پیار اور ناز نخروں سے پالا ہو گا اور اس کی شادی کے ہزاروں ارمان سجا رکھے ہوں گے اور اب اس بیٹی کو غیروں کے دشمنوں کے حوالے کرنا۔''

''بس بس خیام شاہ اپنی کتابی باتیں اپنے تک ہی رکھو ہمیں درس مت دو شمشاد خان کو سزا بھگتنی ہو گی تمہیں ہمارا ساتھ دینا ہے تو گھر پہ رہو اور اگر ہماری پشت خالی کرنی ہے تو شہر چلے جاؤ ہم مر جائیں تو جنازے میں آ جانا ہمارا تم پہ کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔'' وہ کہہ کے چلے گئے تھے اور خیام شاہ ماؤف ہوتے دماغ کے ساتھ خالی خالی نظروں سے دیکھتے رہ گئے تھے۔

''شاہ پتر کیا ہوا پریشان کیوں ہے؟'' بی بی جان کلام شاہ کو پیر شاہ اور خیام شاہ کو شاہ پتر کہتی تھیں بہروز اور فیروز کے لئے صرف پتر کا لفظ استعمال ہوتا تھا۔

''بی بی جان لالا سائیں کیوں نہیں سمجھتے کہ اولاد کتنی پیاری ہوتی ہے بی بی جان وہ صاحب اولاد بھی ہیں پھر بھی اولاد کے احساس کو ختم کر کے بیٹھے ہیں......''

''ارے نہیں میرے شاہ پتر! بس اس مسئلے کو انا کا مسئلہ بنا بیٹھے ہیں دونوں باپ بیٹا، خیر دعا کرو اللہ بہتر حل نکالے۔'' بی بی جان کے نرم ہاتھوں کا لمس ان کے بالوں میں گردش کر رہا تھا وہ ان کے زانو پہ سر رکھے ہوئے تھے بی بی جان کو خیام شاہ سے بہت پیار تھا ان کا کہنا تھا کہ ان کے

پانچوں بچوں میں سے سب سے زیادہ صابر بچہ خیام شاہ کے سوا کوئی نہیں تھا انہوں نے کبھی عام بچوں کی طرح بات بات پہ ماں کو تنگ نہیں کیا تھا نہ ہی کبھی بے جا ضدیں منوائی تھیں صرف تعلیم کے معاملے میں ضد کی تھی جو ایک مثبت نتائج رکھنے والی ضد تھی جس پہ کسی کو کوئی پریشانی بھی نہیں ہوئی تھی۔

''آپ دعا کریں کہ میرا مسئلہ بھی حل ہو جائے پتہ نہیں کیوں آج میرا دل بہت پریشان ہے۔'' خیام شاہ کا دل نہ جانے کیوں اندر ہی اندر ڈوبا جا رہا تھا انہیں اپنی یہ شکستہ سی کیفیت سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

''لالا جی آپ کب آئے؟'' مومنہ شاہ اندر داخل ہوئی تو خیام شاہ کو دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔

''تمہارے آنے سے چند سال پہلے۔'' مومنہ کے ماتھے پہ پیار کرنے کے بعد ہاتھ پکڑ کر اسے بھی قریب ہی بٹھا لیا تھا بی بی جان اور مومنہ ہنس پڑی تھیں۔

''پڑھائی کیسی جا رہی ہے؟'' خیام شاہ کو شروع سے معلوم تھا کہ مومنہ کو بہت زیادہ پڑھنے کا شوق ہے اسی لئے جب اس کا کالج پریڈ ختم ہوا تو اس کی وکالت کر کے اس کے یونیورسٹی جانے کا کیس جیت لیا تھا، کلام شاہ کو اس پہ بھی اعتراض ہوا تھا لیکن خیام شاہ نے اس شرط پہ اجازت دلوا دی کہ مومنہ روزانہ گھر سے یونیورسٹی جایا کرے گی اور باقاعدہ پردہ بھی کرے گی اور مومنہ کے لئے تو یہ بھی بہت تھا پہلی بار کوئی سیدزادی یونیورسٹی پڑھنے کے لئے جا رہی تھی۔

''اگر کوئی اونچ نیچ ہوئی تو ذمہ دار تم ہو گے۔'' اس وقت بھی کلام شاہ نے مومنہ کی ذمہ داری خیام شاہ کے کندھوں پر ڈال دی تھی۔

''مجھے اپنی بہن پہ اعتماد ہے اس لئے مجھے اس کی ہر ذمہ داری قبول ہے۔'' انہوں نے اطمینان سے جواب دیا تھا اور آج مومنہ کو یونیورسٹی میں پڑھتے ہوئے تقریباً ڈیڑھ سال ہو گیا تھا لیکن اس کی طرف سے کبھی کوئی پریشانی نہیں ہوئی تھی اور خیام شاہ کو بہن پہ فخر ہوتا تھا اس کا تعلیمی ریکارڈ بھی بہت شاندار تھا اور ویسے بھی دونوں بہن بھائیوں کو اک دوسرے سے کافی محبت تھی شاید دونوں کے خیالات ملتے جلتے تھے اس لئے یا پھر دونوں اوپر تلے پیدا ہونے والے بچے تھے اس لئے......

''آپ کچھ پریشان لگتے ہیں کیا بات ہے؟'' بی بی جان اُٹھ کر چلی گئیں تو مومنہ نے اپنائیت اور فکر مندی سے پوچھا تھا۔

''بس تم میرے لئے دعا کرو کہ جس کام کا ذمہ اٹھایا ہے اسے نباہ سکوں اور میرا دل مطمئن رہے۔'' خیام شاہ آج کل بیٹھے بیٹھے سوچوں میں گم ہو جاتے تھے۔

''آخر ایسی کیا بات ہے جس نے آپ کو اتنا پریشان کر رکھا ہے؟''

''ارے پگلی تم کیوں ہلکان ہو رہی ہو ایسی کوئی بات نہیں ہے ویسے ایک بات بتاؤ تمہاری بارات نہ بلوا لیں تھوڑی رونق لگ جائے گی اور ویسے بھی احمد شاہ نے روزانہ فون کر کر کے میرا دماغ خالی کر رکھا ہے۔'' اچانک موڈ میں شرارت بھرتے ہوئے مومنہ کو چھیڑنے لگے احمد شاہ مومنہ کے منگیتر اور خالہ زاد کزن تھے خیام شاہ سے کافی انڈرسٹینڈنگ اور دوستی بھی تھی مومنہ اپنے بھائی کے منہ سے ایسی بات سن کر شرم سے چہرہ جھکا گئی تھی۔

''شادی کے لئے دل اپنا چاہ رہا ہو تو بات واضح کرنی چاہئے یوں گھما پھرا کر دوسروں کی شادیوں کا قصہ چھیڑ کر بات کرنے کا کیا فائدہ؟''

میراں بی بی کلام شاہ کی زوجہ تھیں لیکن اپنے مزاج کی وجہ سے بہن سے بڑھ کر نظر آتی تھیں۔

''ارے میراں بھرجائی دل کی بات پکڑلی کب سے لوگوں کو سمجھانے کے چکر میں ہوں کوئی اشارے ہی نہیں سمجھتا۔'' خیام شاہ نے شگفتگی کا مظاہرہ کیا اور احتراماً اٹھ کر اپنی جگہ میراں بھرجائی کو پیش کی تھی مومنہ فلور کشن پہ بیٹھی ہوئی تھی دوسرا فلور کشن کھینچ کر اس کے مقابل بیٹھ گئے تھے۔

''تو پھر بولو کس کو بیاہ کر لائیں؟'' میراں بھرجائی نے دلچسپی سے پوچھا تھا۔

''جیسا پیس بہروز لالا کو ملا ہے ویسا نہیں چاہئے باقی سب ٹھیک ہے۔'' خیام شاہ کے لہجے میں مسکراہٹ اور شرارت رچی تھی بہروز شاہ اگرچہ خیام شاہ اور مومنہ سے چھوٹے تھے لیکن خاندانی مسائل کے نتیجے میں ہی ان کی شادی پہلے ہی ہوگئی تھی مگر بیوی کے مزاج انگاروں سے کم نہیں تھے۔

''تم بے فکر رہو وہ ماسٹر پیس ہیں ان کی کوئی کاپی نہیں ہے۔'' میراں بھرجائی بھی اس کی بات سمجھ کر ہنس پڑی تھیں۔

''ویسے کیا خیال ہے اگر اپنے لئے کوئی سادہ سا معصوم سا پیس میں خود ڈھونڈ لوں؟'' انہوں نے باتوں باتوں میں بھرجائی اور بہن کا عندیہ لینے کے لئے تیر سا چھوڑا تھا۔

''لگتا ہے نظر میں ہے کوئی؟'' میراں بھرجائی نے معنی خیز نظروں سے بغور دیکھا تھا۔

''ابھی تو میں خود آپ کی نظر میں ہوں لیکن فی الحال آپ یہ تو بتائیں کہ میرا آئیڈیا ہے کیسا؟'' خیام شاہ کو بے چینی ہو رہی تھی۔

''آئیڈیا تو اچھا ہے لیکن اس آئیڈیے پہ عمل ذرا مشکل سے ہی ہوگا تمہارے لالا جی اور بابا جان نہیں مانیں گے......''

''تو آپ کس مرض کی دوا ہیں لالا جی کو آپ اور بابا جان کو بی بی جان سمجھائیں گی پھر ایک اچھی سی معصوم سی دیورانی آپ کی خدمت میں پیش کردوں گا بات ختم......'' خیام شاہ نے بیٹھے بیٹھے سارے مسئلے حل کئے تھے میراں بھرجائی نے مومنہ کو آنکھوں آنکھوں میں اشارہ کیا تھا وہ بھی مسکرادی۔

''شاہ سائیں آپ کا فون ہے شہر سے۔'' ملازمہ کی اطلاع پہ خیام شاہ ٹھٹک گئے تھے اور یونہی ننگے پاؤں نرم قالین کو روندتے کچھ دور سٹینڈ پہ رکھے فون سیٹ کے پاس آگئے۔

''کاظمی کیسے ہو؟'' دوسری طرف اپنے دوست وحید کاظمی کی آواز سن کر انہیں اطمینان ہوا تھا۔

''ٹھیک ہے میں آرہا ہوں۔'' انہوں نے بعجلت فون رکھا اور واپس آکر اپنے شوز پہننے لگے۔

''کیا ہوا خیریت تو ہے؟''

''میں شہر جا رہا ہوں ایک ضروری کام آن پڑا ہے کوشش کروں گا کل تک واپس آجاؤں اللہ حافظ۔''

وہ کہہ کر تیری سے نکل گئے لیکن گیٹ پہ گاڑی نکالتے ہوئے کلام شاہ سے سامنا ہوا تو رک گئے تھے۔

''میں شہر جا رہا ہوں ایک ضروری کام سے۔''

''ہمیں بھی تم سے یہی امید تھی کہ تم شہر ہی بھاگو گے......'' ان کے انداز میں کاٹ تھی خیام شاہ کے چہرے پر غیرت کی سرخی چھلک آئی تھی۔

''لالہ سائیں میں آؤں گا، بے غیرت نہیں ہوں کہ آپ کی پشت خالی کر جاؤں بس مجھے ایک دو دن کی مہلت دیجئے مجھے ایک دو کام

نپٹانے ہیں انشاء اللہ آپ کے لئے سر بھی حاضر ہے...... لیکن ایک بار پھر کہوں گا کہ آپ اور بابا جان اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر لیں کسی کی بیٹی کی آہیں مت لیں یہ نہ ہو کہ پچھتانا پڑ جائے۔'' وہ کہہ کر چلے گئے تھے اور کلام شاہ نے جو مستقبل کے پیر سائیں تھے انتہائی نخوت اور غصے سے سر جھٹک دیا تھا جیسے ان کی بات سنی ہی نہ ہو۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی

اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

خیام شاہ کا قتل حویلی میں کہرام مچا گیا تھا جہاں پورے علاقے میں دکھ اور افسوس کی چادر تنی تھی وہیں سردار صابر شاہ اور کلام شاہ سکتے کی لپیٹ میں بیٹھے تھے بی بی جان تقریباً پاگل ہو چکی تھیں اور مومنہ خیام شاہ کے قتل کی خبر سننے کے بعد سے ہوش وخرد سے بیگانہ ہو چکی تھی۔

اسلام آباد ہاسپٹل کے آئی سی یو میں بے ہوشی کے عالم میں بھی اس کے منہ سے وقفے وقفے سے صرف ایک ہی لفظ سننے کو ملتا تھا۔''میرے لالہ جی، اور اس کے بعد اس کی پکار دم توڑ جاتی تھی اور باہر کوریڈور میں بیٹھے فیروز شاہ اپنے بھائی کی جواں مرگ پہ بیٹھے بیٹھے ماتم کرنے لگتے تھے اپنا سر پیٹ ڈالتے تھے اور کبھی تو بلند آواز سے رو پڑتے تھے یہی حال بہروز شاہ کا بھی تھا لیکن سب سے ابتر حال تو کلام شاہ کا تھا جن کی پشت خالی نہ کرنے کے لئے وہ بیچ بچ دو روز بعد فوراً ہی چلے آئے تھے۔

جب مخالف پارٹی کے ساتھ دوبارہ جرگہ بیٹھا تو خیام شاہ کے پہلو میں کھڑے تھے بے شک وہ تمام باتوں، تمام فیصلوں کے دوران خاموش ہی رہے تھے لیکن جب دشمن اچانک حملہ آور ہوا تو پھر پیچھے نہیں ہٹے تھے لالا سائیں کلام شاہ کو دھکا دے کر شمشاد خان کے بیٹے کی گولی سے بچاتے بچاتے خود اس کی گالی کا نشانہ بن گئے تھے اور پھر دیکھتے دیکھتے آٹھ گولیوں نے خیام شاہ کا وجود چھلنی کر کے رکھ دیا تھا خون کی ایک نہر تھی جو کلام شاہ کے قدموں کو چھوتی ہوئی دور تک پھیل گئی تھی ان کے آدمی مقابلے کے لئے ڈٹ چکے تھے لیکن کلام شاہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے خیام شاہ کو کھڑے قد سے گرتے دیکھ کر پتھرا گئے تھے۔

خیام شاہ نے درد کے احساس لرزتا ہاتھ اٹھا کر جیسے کلام شاہ کو بلانے کی کوشش کی تھی جیسے کچھ کہنا چاہا ہو لیکن موت اس طرح جسم میں سما گئی تھی کہ سارے لفظ دل میں ہی دم توڑ گئے زبان تک آنے کا سفر تو بہت ہی طویل تھا کلام شاہ نے جیسے ہی ان کا سر اٹھا کر گود میں رکھا تو منہ سے درد کی ایک کراہ نکلی تھی وہ بلند آواز سے روئے تھے اور سردار صابر شاہ تو رو بھی نہیں سکے تھے کیونکہ اپنے بیٹے کی موت کے وہ خود ذمہ دار تھے۔

''اگر سنبھلنا ہی تھا تو اس کی زندگی میں ہی سنبھل جاتے اس کی جاں تو بچ جاتی۔'' میراں بی بی کا لہجہ بھرایا ہوا تھا وہ شوہر کے شکستہ انداز دیکھ چکی تھیں۔

''بس میراں بی بی بس، ہمیں بے موت مرنا تھا ہم مر گئے۔ قتل اس کا ہوا ہے تو زندہ ہم بھی نہیں ہیں اپنا کلیجہ دفن کیا ہے ہم نے، جتنا اس

سے چڑتے تھے اتنا پیار بھی کرتے تھے۔''

''آپ کے پیار نے تو اس کی جان لے لی شاہ جی! کیسا پیار تھا؟'' میراں بی بی کے آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے خیام شاہ کی موت کو پانچ ماہ ہو گئے تھے لیکن یوں لگتا تھا جیسے ابھی ابھی حویلی میں کسی کی موت ہوئی ہو کبھی بی بی جان بین کرنے لگتی تھیں تو کبھی مومنہ کی ہچکیاں بندھ جاتی تھیں کبھی بابا جان پاگلوں کی طرح اندر باہر چکر لگاتے تھے تو کبھی میراں بی بی سسک اٹھتی تھیں اور انہیں سسکیوں میں ایک روز فون کی تیز گھنٹی دراڑ ڈالتی حویلی کے در و دیوار کو ہلا کے رکھ گئی تھی۔

''بی بی جی کسی عورت کا فون ہے۔'' ملازمہ کارڈلیس میراں بی بی کو تھما گئی تھی اور انہوں نے آنسوؤں کو پونچھ کر سلام کیا تھا۔

''مجھے میراں بھرجائی سے بات کرنی ہے۔'' آواز درد میں ڈوبی ہوئی اور لہجہ احترام اور اپنائیت لئے ہوئے تھا میراں بی بی کو حیرت ہوئی کہ یہ اجنبی سی آواز کس کی ہو سکتی ہے۔

''ہیلو؟'' دوسری طرف سے دوبارہ پکارا گیا تھا۔

''جی...... جی میں سن رہی ہوں میں ہی میراں بھرجائی ہوں لیکن آپ کون ہیں؟'' وہ چونک کر متوجہ ہوئی تھیں۔

''میں خیام شاہ کی بیوی ہوں اور اس وقت ہاسپٹل میں ہوں پلیز مجھے آپ کی ضرورت ہے، میں تنہا ہوں، میرا بچہ!'' بات کرتے کرتے دوسری طرف کی آواز رندھ گئی تھی لیکن ادھر میراں بی بی کا دماغ گھوم کے رہ گیا تھا۔ خیام شاہ کی بیوی؟ ان کا دماغ اس جملے کو جیسے قبول ہی نہ کر رہا تھا۔

''میراں بھرجائی اللہ کے لئے میرا یقین کیجئے میری ڈلیوری کو تھوڑی دیر ہی ہوئی ہے میرے بیٹے کو تھام لیجئے یہ آپ کے خیام کا بیٹا ہے۔'' وہ روتے روتے چلائی تھی اور میراں بی بی نے جیسے ہوش میں آتے ہوئے بعجلت اس سے ہاسپٹل کا نام پوچھا تو فون بند ہو گیا تھا اور وہ بھاگتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف لپکیں۔

''شاہ جی...... شاہ جی اٹھیں آپ کے لئے ایک خبر ہے۔'' انہوں نے اندھیرا کر کے لیٹے کلام شاہ کو ہلا کے رکھ دیا تھا۔

''میراں بی بی ہمیں کوئی بھی خبر مت سناؤ چلی جاؤ بند کر دو یہ روشنی۔'' وہ نہ جانے کس کرب سے گزر رہے تھے کہ میراں بی بی کی تیز آواز پہ بھڑک گئے تھے۔

''شاہ جی شہر سے ایک لڑکی کا فون تھا وہ...... وہ خیام کی بیوی ہے۔'' میراں بی بی نے ان کے سر پہ حیرتوں کے پہاڑ توڑ دیئے تھے کلام شاہ کی آنکھیں پھیل گئیں۔

''یہ کیا کہہ رہی ہو؟'' انہوں نے بیوی کو شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا تھا۔

''ہاں شاہ جی وہ ہسپتال سے بات کر رہی تھی اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے اور...... اور اسے ہماری ضرورت ہے وہ بالکل اکیلی ہے اور بیمار بھی ہے۔'' میراں بی بی اس ان دیکھی لڑکی کے لئے بے قرار ہوئی جا رہی تھی۔

''یہ ہو سکتا ہے شاہ جی...... اس نے یقیناً ہم کو بتائے بغیر شادی کی ہو گی اور ہم سب سے ڈرتے ہوئے بتایا نہیں ہو گا۔'' میراں بی بی نے

جیسے آج بھی خیام شاہ کے دل کی بات پکڑلی تھی یہ بات کلام شاہ کے بھی دل کو لگی تھی اور تیزی سے جوتے پہنتے باہر نکل گئے بابا جان اور بی بی جان کو آگاہ کیا تو وہ بھی بے قرار ہو گئے تھے۔ بقول میراں بی بی کے وہ لڑکی ہاسپٹل میں تھی اور ڈلیوری سے فارغ ہوئی تھی اس لئے اس کو کسی عورت کی زیادہ ضرورت تھی جس کے پیش نظر انہوں نے میراں بی بی کو ہی ساتھ چلنے کا کہا تھا اور بی بی جان از خود تیار ہو گئی تھیں یوں تھوڑی دیر بعد تین گاڑیوں پر مشتمل یہ قافلہ شہر کے لئے روانہ ہو گیا تھا۔

آج خیام کی موت کے پانچ ماہ بعد ان کے جسموں میں زندگی دیکھنے کو ملی تھی ہر کوئی اپنی جگہ پہ متجسس اور بے تاب سا تھا اور مومنہ حویلی میں اکیلی چکراتی پھر رہی تھی اس نے بھی ساتھ جانا چاہا تھا مگر بہروز شاہ منع کر گئے تھے وہ خود کافی کمزور تھی تین چار ماہ بستر میں گزارے تھے اور آج زندگی کا محور میراں بی بی کی دی ہوئی یہ خبر بن گئی تھی البتہ چھوٹی بھر جائی ندرت کا کوئی جوش و خروش دیکھنے میں نہیں آیا تھا الٹا وہ طنزیہ نظر سب پہ ڈال کے اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔

''اب پتہ نہیں اپنے پچھتاوے مٹانے کے لئے کس کس پہ فدا ہوں گے بے چارے۔'' ان کی بڑبڑاہٹ کوئی سن لیتا تو یقیناً فساد پھیل جاتا لیکن اس وقت فائدہ یہ تھا کہ آس پاس کوئی بھی نہیں تھا انہوں نے بیڈ پہ سوئے ارمغان کو اٹھا کر کاٹ میں لٹا دیا تھا اور خود سکون سے آرام کی غرض سے لیٹ گئی تھی حویلی میں مکمل سناٹا تھا۔

۞......۞......۞

واپسی پہ سب کے قدم تھکے تھکے سے تھے لیکن یہ تھکن اتنی بوجھل کرنے والی بھی نہیں تھی کہ وہ بالکل ہی تھک ہار کے بیٹھ جاتے وہ آج پانچویں دن واپس آئے تھے خیام شاہ کی بیوی کی آخری رسومات ادا کرنے میں انہیں کچھ وقت تو لگنا ہی تھا لیکن اس کے بعد ان کی توجہ کا مرکز خیام شاہ کا بیٹا تھا مکتوم شاہ...... بقول اس کی ماں کے یہ نام خیام نے ہی سوچ رکھا تھا اور مکتوم شاہ کو اپنی آغوش میں سمیٹے جب کلام شاہ حویلی میں داخل ہوئے تو کلیجہ جیسے کٹ گیا تھا وہ بری طرح رو پڑے تھے۔

''اس بیٹے کے لئے اس نے پتہ نہیں کیا کیا سوچ رکھا ہوگا؟ پتہ نہیں اس کے استقبال کے لئے کیا کیا جشن منانے کے ارادے ہوں گے خیام شاہ...... مجھے بتاؤ تمہارے دل میں کیا تھا؟ خیام شاہ تم اپنے بیٹے کا کس طرح استقبال کرنا چاہتے تھے؟ آج بتاؤ خیام شاہ میں کون سا جشن مناؤں؟'' وہ نرم کمبل میں لپٹے بچے کو بانہوں میں اٹھا کر روتے روتے چیخ اٹھے تھے اور حویلی میں موجود تمام ملازمین جمع ہو گئے تھے وہ کبھی اس بچے کو والہانہ پیار کرنے لگتے تو کبھی تڑپ تڑپ کر رو دیتے تھے......اور ان کی اس حالت پہ ہر آنکھ اشکبار ہو جاتی تھی۔

اور پھر مکتوم شاہ کی پیدائش کے ساتویں دن حویلی میں ہی نہیں پورے خاندان اور قبیلے میں، عقیقے کا شاندار جشن ہوا تھا انہوں نے کئی شہروں سے اپنے مہمان بلائے تھے اور سب کو بتایا تھا کہ مکتوم شاہ خیام شاہ کا بیٹا ہے اس نے شہر میں شادی کی ہوئی تھی حویلی والوں کو بھی بتا رکھا تھا بس قبیلے کے رسم و رواج کی وجہ سے بتا نہیں پائے تھے لیکن اب یہ خبر اور حالات ایسے تھے کہ وہ چھپا نہیں سکتے تھے اور اب انہیں قبیلے کے رسم و رواج کی خاطر اپنے جگر گوشے کو نظر انداز تو نہیں کرنا تھا پھر سب کے سامنے خیام شاہ کے سر کی دستار اس کے بیٹے کے سر پہ سجا دی گئی تھی۔

کہتے ہیں کہ جب اپنا بہت عزیز بہت پیارا بچھڑ جائے تو انسان اپنے جینے کے جواز اپنے زندہ رہنے کے بے معنی سے ہی سہی لیکن بہانے ڈھونڈنے لگتا ہے تاکہ اگر کبھی وہ بچھڑنے والا ملے تو ان سے جینے کا جواز ان کی زندگی کا استفسار نہ مانگے اور مانگے تو وہ جھٹ سے بتائیں کہ تیری یادیں تھیں، کچھ نشانیاں تھیں، کچھ وعدے تھے، کچھ ذمہ داریاں تھیں جن کو نبھانے کے لئے جینا پڑا...... مجبوری تھی سمجھا کرو...... جس طرح تمہیں بچھڑنے کی مجبوری تھی اسی طرح ہمیں زندہ رہنے کی مجبوری تھی۔ مروت بھی کوئی چیز ہوتی ہے اور مروت انسان ہمیشہ رشتوں سے نبھاتا ہے اپنے گھر سے اور عزیز رشتوں سے اور رشتہ نبھانا آسان بھی نہیں ہوتا۔

پیر سائیں نے بھی یہی کچھ کرنا سیکھ لیا تھا مکتوم شاہ ان کی زندگی کا جواز بن گیا تھا، یادیں، نشانیاں، کچھ وعدے اور کچھ ذمہ داریاں خیام شاہ چھوڑ گیا تھا جس طرح وہ بچھڑنے پہ مجبور ہوا تھا اسی طرح وہ زندہ رہنے پر مجبور ہو گئے تھے اور ابھی تک اس مجبوری میں پوشیدہ مروت بھی نباہ رہے تھے اپنے آس پاس بکھرے ڈھیروں رشتوں سے، اس حویلی کے در و دیوار سے، اس قبیلے اور اس کے مسائل سے، اپنے دل و دماغ کی شکستگی سے اور اپنی زندگی سے کیونکہ خیام شاہ کی موت نے سردار صابر شاہ کو اندر سے توڑ پھوڑ کے رکھ دیا تھا وہ اندر سے مردہ، کھوکھلے سے ہو گئے تھے اور تب تو وہ اور بھی ڈھے گئے تھے جب یہ پتہ چلا کہ خیام اپنی پسند کی لڑکی سے شادی کرنے کے بعد بھی اسے گھر نہ لا سکا تھا ان کے ڈر کی وجہ سے اپنی نہ جانے کتنی خواہشوں کو دل میں دبائے دنیا چھوڑ گیا تھا اور یہی اذیت ناک احساس ہوتے ہی ان کی زندگی سے دلچسپی ختم ہوتی گئی تھی ٹھیک ایک سال بعد وہ بھی دار فانی سے کوچ کر گئے تھے اور پھر سب کچھ کلام شاہ (پیر سائیں) کے کندھوں پہ آ پڑا تھا اور وہ مروت، مجبوریاں، ذمہ داریاں، رشتے نبھاتے چلے گئے تھے۔

❁......❁......❁

آج چار پانچ روز بعد سورج کا رُخ روشن نظر آیا تھا اور لوگ اس کی دید کے لئے اس قدر ترسے ہوئے تھے کہ گرم کمبلوں اور ہیٹر کو چھوڑ چھاڑ کے بڑے والہانہ انداز میں باہر نکلے تھے اور سورج کا دیدار کرتے ہی جسم میں طمانیت کا احساس اتر گیا تھا اور اس احساس کو مزید اپنے اندر اتارنے کے لئے وہ لان کے بیچوں بیچ کرسی ڈال کے دونوں پاؤں اوپر چڑھا کے بیٹھ گئی تھی اگرچہ بادلوں کے سفید سفید ٹکڑے ابھی بھی کہیں کہیں دکھائی دے رہے تھے لیکن اس وقت جگر جگر کرتے سورج کے قریب جانے کا وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔ اسی لئے وہ بھی جم کے بیٹھ گئی تھی اور دو تین گھنٹوں تک اٹھنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

''سردی کے بہت سے چور دیکھے ہوں گے تم جیسا چور آج تک نہیں دیکھا۔'' ارمغان شاہ دھوپ کی سمت چہرہ کر کے بیٹھے دیکھ کر قریب آ گیا تھا۔

''تو آپ اس چور کو انعام نہیں دیں گے؟ جو سب چوروں سے بڑا چور ہے۔'' اس کے چہرے پہ مسکراہٹ اُتر آئی تھی۔

''دیں گے ضرور دیں گے لیکن اس وقت جب یہ چور کسی روز بارش میں نہائے گا، یا دھند میں صبح صبح حویلی کی چھت پہ دس دوڑیں لگائے گا یا پھر...... یا پھر ہاں یاد آیا جب وہ تین بار غسل لے گا اور پھر زکام اور چھینکوں سے مالا مال ہو کر ہم سے انعام مانگے گا ایسے کیسے دھوپ میں بیٹھے چور کو انعام تھما دیں؟''

''کیا؟'' وہ ارمغان شاہ کی شرائط پہ چیخ اٹھی تھی اور جواباً وہ قہقہہ لگا کے ہنس دیا تھا۔

''ظاہر ہے انعام پانے کے لئے لوگ ریس میں حصہ لیتے ہیں تیراکی میں حصہ لیتے ہیں تم بھی یہی سمجھ لینا کہ......''

''بس بس میں باز آئی آپ کے انعام سے گویا انعام پانے کے لئے میں اپنے آپ کو مار ڈالوں واہ...... کیا بات ہے؟'' وہ شاہانہ سے انداز میں بولی اور ارمغان شاہ ابھی بھی ہنس رہا تھا۔

''ایسا کیا کہہ دیا شہزاد نے آپ کی ہنسی ہی نہیں رک رہی؟'' خزینہ اس ہفتے کے تمام میگزین ڈیلی نیوز، پیپرز اور مالٹوں سے بھری ٹوکری اٹھائے قریب آ گئی تھی وہ ارمغان سے چھوٹی تھی البتہ حسان شاہ، ثوبان شاہ اور زرینہ اس سے چھوٹے تھے۔

''مجھ سے کیا پوچھتی ہو شہزاد سے ہی پوچھ لو کہہ رہی تھی کہ اس دفعہ جس بارش میں ژالہ باری بھی ہو گی اس میں نہاؤں گی۔'' ارمغان شاہ خزینہ سے میگزین لے کر اپنی مسکراہٹ چھپا رہا تھا۔

''اور پھر جب مر جاؤں گی تو آپ لوگ نعرہ لگائیں گے، شہزاد...... زندہ باد۔'' وہ جل کے بولی تھی اب کی بار خزینہ کھلکھلانے پر مجبور ہو گئی تھی رفتہ رفتہ حویلی کے بہت سے افراد لان میں جلوہ گر ہونے لگے تھے اور اچھی خاصی رونق لگ گئی تھی۔

''ارمغان بیٹا مکتوم تمہارے ساتھ گیا تھا کہاں ہے؟''

میراں بی بی نے اندر سے آتے ہی استفسار کیا تھا اس استفسار میں تشویش تھی شہزاد ان کی آمد اور پھر ان کی بات سن کر یکدم سنجیدہ ہو گئی تھی دو تین روز پہلے اسی مکتوم شاہ کی وجہ سے دونوں ماں بیٹی میں بدمزگی ہو گئی تھی اور اس کی ماں نے زندگی میں پہلی بار اس پر ہاتھ اٹھایا تھا اور اسے لعنت

ملامت بھی کی تھی اور ابھی تک اس بدمزگی کے بعد اس نے ان کے درمیان کوئی بات نہ ہوئی تھی میراں بی بی نے اس سے سلسلہ کلام ترک کیا ہوا تھا۔

''چچا سائیں کے کسی کام سے اسلام آباد گیا ہے شام تک آ جائے گا آپ جائیے نا ہمارے ساتھ بیٹھیے۔'' ارمغان اپنی کرسی سے کھڑا ہو گیا تھا۔

''نہیں بیٹھو تم لوگ میں فارغ نہیں ہوں۔'' وہ اس کا کندھا تھپک کر اندر کی طرف مڑ گئیں۔

''تائیں میراں از ویری...... ویری نائس ویمن۔''

ارمغان نے دوبارہ کرسی پہ بیٹھتے ہوئے رشک آمیز اور عقیدت بھرے لہجے میں کہا تھا اور کٹے ہوئے سنگتروں پہ چاٹ مسالا ڈال کے کھانے میں مصروف زرینہ اور ندرت بیگم نے کوفت سے ارمغان کی بات سنی اور نخوت سے سر جھٹک دیا تھا۔

شام نے اپنے چہرے پہ سیاہ رات کا نقاب چڑھانا شروع کر دیا تھا سب لوگ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ چکے تھے ایک وہ تھا جو ابھی تک نہیں آیا تھا اور میراں بی بی اندر ہی اندر تلملا رہی تھیں کہ چچا سائیں (فیروز شاہ) نے یہ جاننے کے باوجود کہ دو روز سے وہ بخار میں مبتلا تھا پھر بھی اسے کام سے بھیج دیا تھا وہ یہ کام کسی اور سے بھی کروا سکتے تھے۔

''میراں بی بی کھانا لگ چکا ہے ٹھنڈا بھی ہو چکا ہے، میں آپ کی اس بڑھاپے میں بیٹھے بیٹھے کھو جانے کی عادت پہ حیران ہوں حالانکہ یہ کام جوانی میں اچھے لگتے ہیں۔'' پیر سائیں نے نرمی سے بیوی کو متوجہ کیا تھا وہ دسترخوان پہ بیٹھی تھیں لیکن دھیان نہ جانے کہاں پہنچا ہوا تھا۔

''میں مکتوم کا انتظار کر رہی تھی اس کی طبیعت بھی خراب تھی اور ابھی تک نہیں آیا باہر بہت ٹھنڈ ہو رہی ہے آپ فون کر کے اس کا پتہ کیجئے۔''

''تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا ہم تو سمجھ رہے تھے کہ اپنے کمرے میں ہے شاید.....'' وہ بھی ہاتھ کھینچ چکے تھے اور ملازمہ کو فون لانے کا اشارہ کیا تھا۔

''السلام علیکم''۔ اس نے ڈائننگ روم میں قدم رکھتے ہی سلام کیا تھا اور میراں بی بی تیزی سے قریب آئی تھیں شہزاد نے کوئی بھی محبت بھرا جذباتی نظارہ دیکھنے سے قبل چہرہ جھکا لیا تھا۔

''آؤ بیٹا آؤ بیٹھو کھانا کھاؤ ہم تمہیں ہی کال کرنے والے تھے۔'' پیر سائیں نے اپنے برابر والی کرسی کی سمت اشارہ کیا تھا وہ ہمیشہ اسے اپنے برابر میں بٹھاتے تھے اور ایک مدت انہوں نے مکتوم کو اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلایا تھا شاید اسی لئے ان کے اپنے بچوں کو بھی یہ شوق یہ آرزو ہو گئی تھی کہ وہ انہیں بھی مکتوم کی طرح اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلائیں مگر انہوں نے آج تک اپنے بچوں کا یہ شوق پورا نہیں کیا تھا۔

''ابھی بھوک نہیں ہے میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں آپ لوگ کھانا کھائیں سوری میری وجہ سے آپ ڈسٹرب ہوئے۔'' اس نے سب سے معذرت کی تھی اور واپسی کے لئے مڑ گیا تھا میراں بی بی اس کا حال احوال پوچھتیں فکرمندی اس کے ساتھ چلتی سیڑھیوں تک آئی تھیں اور وہ سیڑھیوں پہ قدم رکھتے رکھتے ٹھہر گیا تھا گردن موڑ کر دیکھا تو ان کے چہرے پہ پریشانی کے سوا صرف اور صرف ممتا نظر آئی تھی۔

''تائی امی آپ میرے لئے اتنا پریشان کیوں ہوتی ہیں؟ کیا حاصل میری فکر سے؟ آپ کو تو اپنے بچوں کی فکر کرنی چاہئے تو قیر شاہ، عمیر شاہ، شہزاد سب کو آپ کی توجہ چاہئے میرے لئے تو.....''

''دُہرے رشتے بھی بناتے ہو ایک طرف تائی اور ایک طرف ماں بھی کہتے ہو پھر پوچھتے ہو پریشان کیوں ہوتی ہوں اور تیری فکر سے کیا حاصل ہوتا ہے، یہ تو ایک ماں کا دل ہی بتا سکتا ہے کہ اپنے بچے کے لئے فکر کر کے اسے کیا ملتا ہے کیا حاصل ہوتا ہے تم بھلا کیا جانو گے؟'' ان کا لہجہ بھیگ گیا تھا مکتوم نے بے چین سا ہو کر ان کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

''تائی ماں آئی ایم سوری میں آپ کو اداس نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن میں آپ کو اپنے لئے پریشان بھی تو نہیں دیکھ سکتا۔''

''لیکن تائی ماں سب کی تڑپ سے میرا وجود مکمل نہیں ہوگا میرا وجود اسی روز مکمل ہوگا جب میرے ماں باپ کا رشتہ واضح ہوگا جب میری ماں کے دامن سے غلیظ دھبا دھلے گا جب مکتوم شاہ کو مکتوم شاہ کہلانے میں جھجک نہیں ہوگی۔'' وہ دکھ سے کہتا ان کا ہاتھ چھوڑ کر سیڑھیاں چڑھ گیا تھا اس کی آنکھوں میں اتری سرخی اور چہرے پہ پھیلی اذیت کے عکس میراں بی بی کو بے کل کر گئے تھے ان کی ذات کو حویلی والوں نے ادھورا کر کے رکھ دیا تھا کسی نے اسے بہت زیادہ پیار دیا تھا اور کسی نے طنز و حقارت کے سوا کچھ بھی نہیں دیا تھا اور یوں اس کا ذہن دو حصوں میں بٹ گیا تھا ایک وہ جوان سب رشتوں کو اپنا سمجھتا تھا اور ایک وہ جو اتنے رشتوں کے باوجود اپنے آپ کو اکیلا اور تنہا محسوس کرتا تھا۔ کبھی وہ بہت مضبوط ہو جاتا تھا نا قابل تسخیر چٹان کی مانند اور کبھی اتنا کمزور ہوتا کوئی بھی اس کی ذات کی اونچی دیوار کو زمین بوس کرنا چاہتا تو پل میں کر سکتا تھا اور یہ کام سب سے زیادہ اور اچھے طریقے سے صرف شہزاد کرتی تھی اور وہ اپنے ضبط کو قفل لگائے۔ بے بسی کا لبادہ اوڑھے اپنی ذات کا مسمار ہونا خاموشی سے دیکھتا رہتا تھا۔

❁......❁......❁

دروازے پر دستک دے کر وہ اندر داخل ہوا تو بی بی جان کو اپنا منتظر پایا تھا۔

''جی بی بی جان آپ نے بلایا تھا۔'' انداز بے حد مؤدب تھا۔

''ادھر آؤ ہمارے پاس بیٹھو۔'' انہوں نے بیڈ پہ اس کے لئے جگہ بنائی اور اسے بیٹھنے کا کہا وہ متوازن قدم اٹھاتا ان کے قریب آ کر بیٹھ گیا اور بی بی جان نے اس کا ہاتھ اپنے نرم نرم بوڑھے ہاتھوں میں لے کر تھپکنا شروع کر دیا تھا۔

''اب کیا کچھ پڑھنا باقی رہ گیا ہے؟ کتنی ڈگریاں لے گا میرا شاہ پتر؟'' وہ بچوں کی طرح پچکارتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

''اس سال سی ایس ایس میں کامیابی ہو جائے تو پھر پریکٹیکل لائف کی طرف آ جاؤں گا اور کسی بہترین جاب کو ترجیح دوں گا آخر کب تک یوں جیا جا سکتا ہے؟''

''کیوں کیا ہوا ہے؟''

''کچھ نہیں مجھے بھلا کیا ہوگا؟'' وہ اپنے آپ پہ ہنسا تھا۔

''پھر نوکری کی کیا ضرورت ہے؟''

''بی بی جان مجھے نوکری کی ہی تو ضرورت ہے۔''

''تو یہ باپ دادا کی جائیداد کس کے کام آئے گی؟''

''باپ دادا میرے کام نہیں آئے تو ان کی جائیداد لے کر کیا کروں گا؟'' اس کے لفظ لفظ میں شکایتیں تھیں شکوے تھے بی بی جان دیکھ کے رہ گئیں۔

''اچھا چھوڑ ان باتوں کو تُو یہ بتا کسی لڑکی کو پسند کرتا ہے؟'' بی بی جان نے جھنجلا کے سر جھٹکا اور اپنے مطلب کی بات پہ آ گئی تھیں انداز میں تھوڑا اشتیاق اور تھوڑا تجسس تھا۔

''کیوں؟'' اسے تعجب ہوا تھا۔

''تیری شادی کرنا چاہتی ہوں تیرے پیر سائیں بھی کہہ رہے تھے۔''

''لیکن بی بی جان میں تو ابھی سوچ بھی نہیں سکتا۔''

''دیکھ شاہ پتر! تو قیر شاہ تجھ سے بڑا ہے اور پیر شاہ اس کی شادی کرنا چاہتا ہے لیکن وہ یہ بھی چاہتا ہے کہ توقیر اور تیری شادی کی خوشیاں اکٹھی ہو جائیں تو خوشی بڑھ جائے گی کلام شاہ اور خیام شاہ کے بیٹوں کی اکٹھی شادیاں ہوں گی۔'' بی بی جان پرجوش انداز میں بتا رہی تھیں لیکن وہ سنجیدگی کی لپیٹ میں تھا جو کہ ہمیشہ ہی رہتا تھا۔

''ایم سوری میں ابھی شادی کے لئے تیار نہیں ہوں۔''

''دیکھ پتر اگر حویلی میں کوئی بھی لڑکی پسند ہے تو بتا دو ویسے بھی خزینہ تو پہلے ہی طلال کی منگ ہے اور شہزاد کے لئے بہروز اور ندرت کہہ رہے تھے ارمغان، خیر سے تجھ سے بھی بڑا ہے اور زرینہ، حمرا، نویرہ، امانہ جو بھی پسند ہے ابھی بتا دو تا کہ تیری بات بھی پکی کر دوں کم از کم نشانی تو ہو جائے تیری۔''

''بی بی جان آپ کیوں نہیں سمجھ رہیں کہ مجھے شادی نہیں کرنی۔''

''کیا کوئی شہری لڑکی پسند ہے؟'' بی بی جان نے ذرا احتیاط سے انداز میں پوچھا تھا اور مکتوم شاہ ان کی اتنی اپنائیت اور معصومیت پہ نرم ہو گیا تھا۔

''شہری لڑکیوں اور دیہاتی لڑکیوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا فرق تو بس ہماری سوچ میں ہوتا ہے کسی کو کمتر اور کسی کو برتر بنا دیتے ہیں لیکن میرے دل میں ایسی کوئی بات نہیں ہے اور نہ ہی ایسا کچھ سوچ رکھا ہے بس ابھی شادی کا ارادہ نہیں ہے ابھی میں ادھورا نامکمل ہوں میری ذات ادھوری ہے کچھ حصے بکھرے ہوئے ہیں وہ سمیٹ لینے دیجئے پھر یہ کام بھی کر لیں گے۔''

اس کا لہجہ ٹھہرا ٹھہرا سا سرد منجمد جھیل سا لگنے لگا تھا بی بی جان خاک بھی نہ سمجھی تھیں۔

''پھر پیر شاہ کو کیا کہوں؟''

''ان سے کہیں میں ابھی شادی نہیں چاہتا ہوں آپ توقیر لالہ کی شادی کی تیاری کریں۔'' وہ کہہ کے اُٹھ گیا تھا اور بی بی جان مضمحل سی ہو گئی تھیں اور ان کی خوشی ختم کر گیا تھا۔

پھر بعد میں پیر سائیں نے خود اس سے بات کی لیکن اس نے تب بھی انکار میں جواب دیا تھا اور پیر سائیں تو اس کی خوشی اس کی رضا چاہتے تھے جب وہ اس بات کے لئے خوش اور راضی نہیں تھا تو زور زبردستی کا تو وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے چنانچہ توقیر شاہ اور طلال شاہ کی شادی کے

ہنگامے جاگ اُٹھے۔

حویلی میں مدت بعد کسی شادی کا ہنگامہ جاگا تھا بھی لوگوں کا جوش وخروش دیکھنے کے قابل تھا اس حویلی میں آخری شادی مومنہ کی ہوئی تھی اور شادی کے فوراً بعد وہ اپنے شوہر احمد شاہ کے ساتھ انگلینڈ جا بسی تھیں اور اتنے عرصے میں صرف دو مرتبہ پاکستان آئی تھیں وہ بھی صرف مکتوم سے ملنے کے لئے، انہیں اپنے عزیز ترین بھائی کا بیٹا اپنے بھائی سے بھی زیادہ عزیز اور پیارا تھا ہفتے میں کئی مرتبہ اسے فون کر کے اس کی خیریت معلوم کرتی رہتی تھیں احمد شاہ اوران کے بچوں کو بھی مکتوم سے بہت لگاؤ تھا اور وہ اتنی چاہتوں پہ شاد ماں خاموش سارہ جاتا تھا اور اب تو وہ لوگ پوری فیملی سمیت پاکستان آرہے تھے آخر شادیوں میں شرکت جو کرنا تھی۔

''اے ادھر...... آ'' وہ دو تین سیڑھیاں طے کر چکا تھا جب حاکمانہ انداز اور تحقیر آمیز لہجے میں پکارا گیا تھا وہ بنا مڑے ہی آواز کے مالک کو پہچان سکتا تھا وہ تین سیکنڈ اس نے نہ جانے کیا سوچا پھر پلٹ کر کسی رعایا کی طرح اس کی خدمت میں پیش ہو گیا تھا وہ صوفہ پہ بیٹھی تھی۔

''لاہور کب جا رہے ہو؟'' اس کے استفسار پہ مکتوم شاہ نے نظر اٹھا کے اسے دیکھا...... کیونکہ اس کے استفسار پہ حیرت ہوئی۔

''میں تمہارے ساتھ جانا نہیں چاہتی نہ ہی تمہاری شکل دیکھنے کا شوق ہے کوئی اور کام تھا۔'' اس کی استفہامیہ واستعجابیہ نظریں دیکھ کر وہ نخوت سے بولی تھی۔

''فرائیڈے کو جاؤں گا۔'' جواب مختصر تھا۔

''گاڑی کی چابی کہاں ہے؟''

''میری جیب میں۔'' وہ کچھ سمجھا کچھ نہیں سمجھا۔

''لاؤ مجھے دو، ان فیکٹ شادی کے لئے شاپنگ کرنے کے لئے ہمیں روزانہ اسلام آباد جانا ہوتا ہے سب مرد حضرات صبح صبح اپنی اپنی گاڑیاں لے کر نکل جاتے ہیں بعد میں پریشانی ہوتی ہے حویلی والی گاڑیاں بھی بابا سائیں نے اپنے شہر سے آنے والے دوستوں کو دے رکھی ہیں۔''

اس نے بڑی شرافت اور سعادت مندی سے چابی دے دی تھی۔

''فرائیڈے کو تمہیں تمہاری گاڑی مل جائے گی۔'' وہ شان بے نیازی سے کہتی اسے جانے کا اشارہ بھی کر چکی تھی۔

اس نے جانے سے پہلے اک نظر اس لڑکی کو بغور دیکھا جو اس کی ہی نہیں اس کے ماں باپ کی ذات کے بھی پرخچے اڑا کے رکھ دیتی تھی اور اس لڑکی نے مکتوم کے دل کا ایسا کونا نہیں چھوڑا تھا جہاں اس کے لفظوں کے نشتر نہ لگے ہوں اس کے دل کے کونے کونے سے لہو رستا تھا اور اس لہو سے اس کی آنکھیں اس قدر سرخ ہوئی تھیں کہ وہ راتوں کو سو نہیں پاتا تھا آج تک مکتوم شاہ کی نیند پوری نہیں ہوئی تھی وہ کبھی سو ہی نہیں سکا تھا اس کی آنکھیں جلتی تھیں ابھی بھی جل رہی تھیں وہ شہزاد کا پُر غرور سراپا نگاہوں سے بھسم کر دینا چاہتا تھا لیکن وہ بے خبر بیٹھی اس کی گاڑی کی چابی گھماتی ٹی وی دیکھنے میں مصروف تھی باہر خواتین کی آوازوں کا شور اٹھا تو اندازہ ہو گیا کہ وہ شاپنگ کر کے آگئی ہیں مکتوم تیزی سے لاؤنج کی حدود سے نکل گیا تھا اب یہاں دھما چوکڑی مچنے والی تھی کپڑے اور زیورات بکھرنے والے تھے۔

❁......❁......❁

دریائے اٹک کے پل سے گزرتے ہوئے شہزاد نے سب سے پہلے وہ سی ڈی ڈسک باہر پھینکی جس میں مکتوم شاہ کا بے حد فیورٹ گانا ''کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے۔'' تھا پھر اس کا لائٹر اٹھا لیا بے حد سیاہ رنگ کا بہت نفیس اور سادہ سا لائٹر بھی اکثر اس کی مٹھی میں نظر آتا تھا اس نے وہ بھی پانی کی وسیع آغوش کے حوالے کر دیا رفتہ رفتہ وہ اپنی ناگوار اشیاء کو باہر اچھالتی کی گئی تھی اور ڈرائیو کرنے والا اس کا ماموں زاد کامران اسے روکتا رہ گیا تھا شہزاد نے اسے بطور خاص دوسرے گاؤں سے صرف ڈرائیور بنا کر بلایا تھا کیونکہ حویلی والے سب مصروف تھے اور وہ چاہتی تھی کہ کوئی صبح سے شام تک اس کا ساتھ دے سکے تا کہ وہ سکون سے شاپنگ کرتی۔

''یہ کیا کر رہی ہو کسی کی پرسنل چیزیں یوں ضائع کرنا سراسر بدتمیزی ہے۔'' کامران کو بُرا لگا تھا۔

''اس وقت یہ گاڑی میری ہے اور اس میں میری پسند کی اشیاء رکھی جا سکتی ہیں میں جسے چاہوں اٹھا کر باہر پھینک سکتی ہوں...... تمہیں بھی۔'' وہ تنک کر بولی کامران اس سے دو تین ماہ چھوٹا تھا اس لئے با آسانی رعب جما لیتی تھی۔

''مجھے پتہ نہیں تھا تم کسی سازش کے تحت مجھے اس طرح بلا رہی ہو ورنہ میں اپنی گاڑی بھی لا سکتا تھا۔''

''خیر سازش تو میں نے کوئی نہیں کی بس بیچارو وغیرہ میں سفر کرنے کی عادی ہوں اس لئے کار کا سفر عجیب لگتا ہے اس لئے تمہاری کار کو اعزاز نہیں بخش سکی۔'' وہ بات ہی اتنے تفاخر و غرور سے کرتی تھی کہ سامنے والا جھلس کے رہ جاتا تھا۔

''جیسا اعزاز تم مکتوم شاہ کی گاڑی کو بخش رہی ہو میں باز آیا ایسے اعزاز سے۔'' اس نے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے اور وہ یکدم کھلکھلا کے ہنس پڑی تھی۔

''ارے نہیں تم تو میرے بہت پیارے اچھے سے کزن ہو تمہاری گاڑی کو نقصان پہنچانے کا میں سوچ بھی نہیں سکتی۔'' اس نے اپنائیت کا اظہار کیا تھا۔

''تو کیا مکتوم شاہ تمہارے کزن نہیں ہیں جو ایسا دشمنوں سا سلوک کر رہی ہو؟'' کامران کا سوال اسے یکدم کوفت میں مبتلا کر گیا تھا۔

''مکتوم شاہ میرا کزن نہیں ہے یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو۔'' لہجہ انتہائی سخت ہو چکا تھا۔

''پھر تم اسے مکتوم شاہ کیوں کہتی ہو؟'' کامران کے دوسرے سوال پہ چونک گئی تھی وہ اسے مسکراتی نظروں سے دیکھ رہا تھا نکتہ بڑا اہم تھا۔ بڑے غور کا تھا۔

''وہ پانچ دن کا تھا جب ہماری حویلی میں آیا تھا اور آج بیس پچیس سال ہو گئے ہیں ہماری حویلی میں رہتے ہوئے اور ان بیس پچیس سالوں میں ہم نے اسے صرف اور صرف دیا ہے یوں سمجھ لو ایک خیرات دی ہے اور اس خیرات میں یہ ''شاہ'' بھی شامل ہے ورنہ خود اس کا کوئی حسب نسب نہیں کوئی نام و نشان نہیں وہ ایک بے بنیاد اور بے وجود انسان ہے کیونکہ انسان کی بنیاد انسان کا وجود اس کے ماں باپ سے ہوتا ہے اور ماں باپ کی اسے خبر ہی نہیں ہے۔'' اس کا لہجہ انتہائی تحقیر لئے ہوئے تھا۔

''لیکن تمہارے بابا سائیں۔''

''میرے بابا سائیں دیوانے ہیں بھائی کی محبت میں اندھے ہو گئے ہیں ذات پات چال ڈھال جانچ پرکھ سب کچھ بھول گئے ہیں اور ان کی ہی دیوانگی تھی کہ ایک عورت کی موشنل بلیک میلنگ پہ نہ جانے کس کی اولاد کو اٹھا کر گھر لے آئے اور وہ عورت اپنے گلے کا طوق ان کے گلے میں ڈال کر اللہ کو پیاری ہو گئی اور نشانی کے طور پر چند زیورات اور چچا خیام کے گلے کی چین تھما گئی اب کیا پتہ کہ وہ چین انہوں نے اپنی بیوی کو دی تھی یا پھر اس نام نہاد بیوی کو کہیں سے ملی تھی ضروری تو نہیں کہ وہ چین ان کے نکاح کا ثبوت ہو اگر ثبوت دینا ہی تھا تو نکاح نامہ کی اوریجنل نہ سہی فوٹو کاپی ہی دکھا دیتیں کم از کم دل تو مطمئن ہو جاتا ہونہہ......'' وہ جل کے کہہ رہی تھی۔

''شاید تم یہ بھول رہی ہو کہ جب ایک انسان بستر مرگ پہ ہوتا ہے تو وہ جھوٹ بولنے کا سوچتا بھی نہیں بلکہ اس نے ساری زندگی میں جتنے بھی جھوٹ بولے ہوتے ہیں ان کی معافی مانگنے کی کوشش کر رہا ہوتا ہے اپنے رب سے بھی اور رب کے بندوں سے بھی۔'' کامران نے ایک اور پوائنٹ نکالا تھا۔

''یہ تمہاری سوچ ہے ورنہ میری سوچ یہی کہتی ہے کہ کچھ لوگ مرنے کے بعد بھی اپنے عیبوں پہ پردہ رکھنے کے لئے آخری سانس لینے تک جھوٹ بولتے ہیں تاکہ ان کی اچھائی کا گراف نیچے نہ آئے۔'' شہزاد کو اس معاملہ میں مطمئن کرنا یا پھر چپ کروانا بہت مشکل تھا اس لئے کامران نے مغز ماری کرنے کی بجائے سر جھٹکا اور گاڑی ایک شاپنگ مال کے سامنے پارک کر دی تھی وہ اسلام آباد پہنچ چکے تھے اور اب اس کی شاپنگ کا اور کامران کے صبر آزما وقت کا دورانیہ شروع ہو چکا تھا اسی لئے تو وہ اسے ساتھ لائی تھی۔

❁......❁......❁

''جی کس سے ملنا ہے آپ کو؟'' گیٹ پہ بیل دینے کے چند سیکنڈ بعد ایک صورت نظر آئی تھی جو یقیناً گھر کے ملازم کی تھی۔

''وحید کاظمی صاحب سے......'' اس نے بہت سنبھل کے یہ نام لبوں سے نکالا تھا یہ نام ہی اس کی زندگی کی واحد امید رہ گئی تھی اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا وہ چند روز پہلے بھی آیا تھا لیکن وہ یہاں نہیں تھے اور چوکیدار نے بتایا تھا کہ چند دنوں تک آنے والے ہیں اسی لئے وہ چوکیدار کو اپنا سیل نمبر دے گیا تھا کہ جب وہ آئیں تو اسے اطلاع کر دے یا پھر ان سے کہیں کہ رابطہ کریں اور آج اتنے دنوں بعد وہ خود ہی آ گیا تھا۔

''وہ تو چلے گئے صاحب جی۔''

''کیا؟ کہاں چلے گئے؟'' اسے کرنٹ چھو گیا تھا۔

''واپس امریکہ اور کہاں؟'' ملازم کو اس کی حالت پہ حیرانی ہوئی تھی۔

''کب آئے تھے اور......اور گئے کب ہیں؟'' اس کے چہرے پہ موت کی سی ویرانی چھا گئی تھی۔

''آٹھ روز پہلے آئے تھے اور کل چلے گئے بیگم صاحبہ بہت بیمار ہیں اس لئے رک نہیں سکے تھے۔''

''اوہ میرے اللہ کیوں میری اذیت کا دورانیہ طویل سے طویل تر ہوتا جا رہا ہے؟'' اس نے سر پکڑ لیا تھا۔

''کیوں صاحب جی خیریت تو تھی؟'' ملازم کو پریشانی ہونے لگی تھی۔

''وہ......وہ چوکیدار کدھر ہے میں اسے نمبر دے کر گیا تھا۔'' اسے چوکیدار پہ تاؤ آیا تھا۔

''ام ادھر اے صاحب۔'' مکتوم کے عقب سے آواز ابھری وہ تلملا کے پلٹا۔

''میں تمہیں نمبر دے کر گیا تھا کہ تمہارے وحید صاحب آئیں تو مجھے بتا دینا پھر......پھر تم نے بتایا کیوں نہیں؟ تم جانتے ہو تم نے میرے ساتھ کیا دھوکہ کیا ہے۔''

خالص پشتو زبان میں بولتا وہ اس پٹھان چوکیدار کو نگل جانے کے درپے تھا اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کیا کر ڈالے۔

''ام کو معافی دے دو ام سے غلطی ہو گیا آپ کی نمبر کپڑے کی جیب میں دُھل گیا ای۔'' چوکیدار اس کی شدید غصے اور اشتعال کی حالت دیکھ کر ہاتھ جوڑ چکا تھا اور وہ مٹھیاں بھینچ کر اپنے بپھرے ہوئے اعصاب کنٹرول کرنے لگا وہ کبھی بھی اس طرح غصے میں نہیں آتا تھا لیکن یہ معاملہ ہی ایسا تھا کہ اس سے اب اور زیادہ برداشت نہیں ہو رہا تھا وہ جلد از جلد اپنی بے کنارہ ذات کو کنارہ دینا چاہتا تھا اپنے سے زیادہ اپنی ماں کی ذات کو معتبر کرنا چاہتا تھا جس کے لئے وحید کاظمی سے ملنا از حد ضروری تھا باوجود اس کے کہ پیر سائیں کو یقین اور اعتبار تھا وہ اس کی ماں کی سچائی اور رشتے کو دل سے مانتے تھے جب ہی آج تک وحید کاظمی کو کھوجنے اور ملنے کی خاص کوشش نہیں کی تھی۔ مگر مکتوم شاہ کے لئے یہ سب کھوجنا اور جاننا بے حد ضروری ہو چکا تھا۔

''مجھے وحید صاحب کا امریکہ والا کانٹیکٹ نمبر دے دو میں خود رابطہ کر لوں گا۔'' اس نے قدم واپس موڑنے سے پہلے کہا تھا۔

''معافی چاہتا ہوں صاحب جی انہوں نے نمبر دینے سے منع کیا ہے ہاں ایک بار ان سے پوچھ لوں پھر دے دوں گا آپ دوبارہ آ جایئے گا......'' ملازم نے شرمندگی سے کہا تھا مکتوم شکست خوردہ قدموں سے چلتا گاڑی تک آ گیا تھا گاڑی میں بیٹھا تو شکستگی کا احساس اور بڑھ گیا تھا اس کی گاڑی ہر چیز سے خالی پڑی تھی شہزاد نے اس کی گاڑی کو بڑی بے دردی سے ویران کیا تھا اور وہ دیکھ کر بھی اسے کچھ نہیں کہہ سکا تھا افسوس اسے اپنی چیزوں کے ضائع ہونے پہ نہیں شہزاد کی نفرت اور تنفر سے ہوا تھا اس کا جی چاہ رہا تھا کہ اسی گاڑی سمیت کسی پہاڑی سے گر کر اپنی زندگی ختم کر لے۔

❁......❁......❁

''نماز پڑھ چکے ہو؟'' میراں بی بی نے اندر داخل ہو کر پوچھا تھا وہ نماز پابندی سے پڑھتا تھا اور یہ عادت اسے میراں بی بی سے ہی ہوئی تھی۔

''نہیں۔'' لفظ تو اس نے صرف ایک ادا کیا تھا لیکن ٹوٹ پھوٹ ہزاروں جذبات میں محسوس ہو رہی تھی ہر جذبہ ہر احساس ٹوٹا بکھرا سا لگ رہا تھا۔

''مکتوم خیریت بیٹا کیا ہوا ہے؟'' وہ اس کے قریب آ گئی تھیں اس نے چہرہ مزید جھکا لیا تھا کہ وہ اس کی شکستہ حالت نہ دیکھ سکیں۔

''میں کیا پوچھ رہی ہوں؟'' وہ تشویش سے پوچھ رہی تھیں اور تھوڑی سی دیر میں وہ ان کی گود میں سر رکھ چکا تھا اور میراں بی بی نے اس کے وجود کو دیکھا جو چٹانوں سا مضبوط لیکن اندر سے بھربھری ریت کی مانند بکھر رہا تھا۔

''میرے لئے دعا کیجئے تائی ماں میں بہت بے سکون ہوں...... میں بہت اکیلا ہوں مجھے سکون چاہئے مجھے صبر چاہئے......'' وہ گھمبیر بوجھل آواز سے کہتا اندر ہی اندر لرز رہا تھا اور اس کی بے سکون تھکی تھکی آنکھوں سے چند بے آواز آنسو پھسل کر ان کی آغوش میں جذب ہو گئے تھے وہ اپنے آپ کو کافی حد تک قابو کر چکا تھا ورنہ تو دھاڑیں مار مار کے رونے کو دل چاہ رہا تھا اور میراں بی بی اس کے بالوں میں کندھے پہ ہاتھ پھیرتی خاموش بیٹھی تھیں۔ باہر حویلی کے ہال کمرے میں ایک رونق کا سا سماں تھا روزانہ سارے کزنز اکھٹے ہو جاتے تھے اور خوب ہلا گلا کرتے تھے لیکن اس ہلے گلے میں وہ شریک نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ تو عام حالات میں بھی اپنے کمرے میں ہوتا تھا سب کے درمیان بیٹھ کر شہزاد کے اور کبھی ندرت چاچی کے طنز سہنا کافی دشوار ہو جاتا تھا اس لئے خلوت نشینی ہی بھلی تھی کچھ آنسو اور کچھ لفظ بہا کر وہ کچھ نہ کچھ ریلیکس ہو ہی گیا تھا۔

''تائی ماں......''

''ہوں بولو؟'' وہ اس کے بال انگلیوں سے سنوار رہی تھیں۔ لیکن اس کے بولنے سے پہلے وہ دروازہ زور سے بجا اور پھر زور سے کھل بھی گیا تھا شہزادہ اندر داخل ہوئی تھی اور پھر ماں بیٹے کا یہ سین دیکھ کر وہ جی جان سے جل گئی تھی اس کے ماتھے پہ بل پڑ گئے تھے ناک بھوؤں کے زاویے بھی بگڑ گئے تھے۔

''تمہیں بڑے چچا نے مردان خانے میں بلایا ہے یہ چونچلے بعد میں کرا لینا۔'' وہ انگارے چباتی چلی گئی تھی اور مکتوم نے چہرہ جھکا لیا تھا وہ تو پہلی بار دل سے یوں بے اختیار رہا تھا کہ ایک ممتا کا سہارا ملتے ہی بکھر گیا تھا ورنہ تو ہمیشہ اپنے آپ کو قابو میں رکھتا تھا۔

''اگر میرے بس میں ہوتا تو میں اس لڑکی کی زبان کاٹ ڈالتی نہ جانے کس بدبخت نے اسے پٹی پڑھائی ہے۔'' میراں بی بی اپنی بیٹی پہ پھنکار رہی تھیں۔

''نہیں تائی ماں سب کو اپنی مرضی سے کہنے سننے کا حق ہوتا ہے شاید وہ بھی غلط نہیں کہتی آخر کچھ تو ہو جو میرا......''

''بس کر مکتوم شاہ کس نانہجار کی باتوں کو دل پہ لے رہے ہو جاؤ جا کر بات سنو'' وہ اپنی اکلوتی بیٹی کو کوستی ہوئی چلی گئیں اور وہ سلیپر پہن کر باہر نکل آیا تھا...... دل کا کچھ غبار کم ہو چکا تھا۔

❁......❁......❁

اسے لاہور آئے ہوئے ہفتہ ہو چکا تھا ان شادیوں کے فوراً بعد ہی اسے سی ایس ایس کے پیپر دینا تھے اس لئے وہ مکمل یکسوئی سے تیاری میں لگا ہوا تھا کیونکہ اسے پتہ تھا کہ ایسے ہنگاموں میں حویلی میں رہ کر تیاری ہرگز نہیں ہو پائے گی لیکن اس ایک ہفتے میں میراں بی بی نے کئی بار اسے آنے کے لئے کہا تھا پیر سائیں بھی اس کی کمی محسوس کر رہے تھے اس کا ارادہ مایوں اور مہندی والے دن جانے کا تھا مگر پیر سائیں کے اصرار پہ اسے تین چار روز پہلے واپسی کی راہ لینا پڑ رہی تھی اور وہ ہمیشہ کی طرح سب کے درمیان جاتے ہوئے اپنے صبر و برداشت کو مضبوط تر کرنے کی کوشش کر رہا تھا آج موسم خاصا خنک سا ہو رہا تھا اور لاہور سے دیر سے نکلنے کی وجہ سے حویلی پہنچتے ہوئے کافی گہری شام رستے میں بجھ گئی تھی اور اس گہری شام کے رستوں کو ٹھنڈے بادلوں کے آنسو بھگو گئے تھے اسلام آباد سے اس کے گاؤں تک بارش نے اس کا بھرپور ساتھ دیا تھا اور وہ اس سفر کو تنہا ہونے کی وجہ سے سکون سے طے کر آیا تھا اپنے انتظار میں محو میراں بی بی اور بی بی جان کی بے چینی کا بری طرح احساس تھا۔

اس لئے اتنے پُرخطر راستوں کے باوجود گاڑی تیزی سے ڈرائیو کر رہا تھا اور سچ مچ وہ اتنی شدید سردی کے باوجود اندرونی مین گیٹ کے پاس متفکر سی کھڑی نظر آئی تھی۔

وہ گیراج میں گاڑی پارک کر کے بارش کی بوچھاڑ سے بچتا ان تک آیا تھا۔

''بسم اللہ۔'' انہوں نے اسے دیکھتے ہی خالصتاً ماؤں والا جملہ بے ساختہ کہا تھا اور وہ ان کے سامنے جھک گیا تھا کیونکہ وہ اس کے کندھوں پہ ہاتھ پھیرنے کے بعد ماتھے پہ پیار بھی کرتی تھیں۔

''اسی لئے کہتی ہوں جس روز حویلی آتے ہو شہر سے جلدی نکلا کرو اتنا سفر ہوتا ہے دیر ہو جاتی ہے۔''

''آپ کیسی ہیں؟ پیر سائیں اور بی بی جان کہاں ہیں؟'' وہ ان کی ہمراہی میں اندر آتے ہوئے پوچھ رہا تھا ہال کمرے سے ڈھولک کی آواز اور لڑکیوں کے ''ماہیے اور ٹپے'' باہر تک سنائی دے رہے تھے میراں بی بی کے قدم ہال کمرے کے باہر تھم گئے تھے۔''اندر جاؤ۔'' انہوں نے اسے اشارہ کیا تھا۔

''میں؟''

''ہاں تم؟''

''لیکن تائی ماں......''

''ارے پگلے اپنی ہی لڑکیاں ہیں کونسی غیروں کی ہیں۔'' وہ ان کے اصرار پہ اُلجھ گیا تھا وہ اسے لڑکیوں کے اس جنگل میں بھیج رہی تھیں جس کی قیامت خیزیاں باہر تک سنائی دے رہی تھیں۔

''اب کب تک کھڑے رہو گے اتنی سردی ہے باہر۔''

انہوں نے اسے اندر دھکیل ہی دیا تھا اور اندر سے شگوفے اور شرارے یکدم تھم سے گئے تھے ڈھولک پہ تھاپ لگانے والی شہزاد کی ماموں زاد اور کامران کی بہن کا ہاتھ فضا میں ہی رہ گیا تھا وہ سب پہ ایک سرسری سی نظر ڈال کے پلٹنے والا تھا جب نظریں پلٹنے سے انکاری ہو گئی تھیں دوسری

طرف بھی یہ ہی حال تھا۔

''پھوپھو!'' اس کے لہجے سے خوشی کھنکی تھی۔

''مکتوم میری جان۔'' وہ والہانہ آگے بڑھیں اور اس کے چوڑے وجود کو اپنی ممتا بھری آغوش میں سمانے کی کوشش کی تھی اور اسے گلے لگا کر اس کے بالوں پہ ماتھے پہ پیار کرتے ہوئے رو پڑی تھیں وہ اسے جب بھی دیکھتی تھیں خیام شاہ کا سراپا یکدم آنکھوں میں بس جاتا تھا وہ ان کی منہ بولتی تصویر تھا وہی قد کاٹھ وہی رنگ و روپ وہی نین نقوش وہی لب ولہجہ بس فرق تھا تو اتنا کہ خیام شاہ کے ہر انداز ہر بات میں استحقاق ہوتا تھا لیکن مکتوم ہر استحقاق سے خالی دستبردار نظر آتا تھا دل کے ہاتھوں بے اختیار جذبات اور دلی خواہشات کے ہاتھوں مجبور ہو کر اگر وہ ذرا بہل جاتا تھا خوش ہو جاتا تھا تو تھوڑی دیر بعد ہی کوئی زہر احساس کے سمندر میں اتر کر پورے سمندر کو زہر زہر کر دیتا تھا ابھی بھی وہ بہت خوش تھا۔

''لالا سائیں ہم بھی پڑے ہیں راہوں میں۔'' زرش اور سحرش دونوں بیک وقت خفگی سے بولی تھیں کیونکہ وہ مومنہ پھوپھو سے نظر اور دھیان ہٹا نہیں رہا تھا۔

''پھوپھو ان پاگلوں کو بھی لے آئیں؟'' وہ ذرا خوشگوار موڈ میں انہیں تنگ کرنے کے لئے بولا تھا اور وہ منہ پھلا کر گھورنے لگی تھیں پھر یکدم ہنستی ہوئی دونوں آ کر اس کے کندھے سے لگ گئی تھیں اور شہزاد کی تمسخرانہ نگاہیں اس کی خوشی کو پھر سے نگل گئی تھیں ڈھولک پہ تھاپ پڑنا شروع ہو چکی تھی۔

میریا جی ماہیا جانی

وے کیارے فصلاں دے

لا کے ہٹ جانا جانی

اے کوئی کم نئی اصلاں دے

میریا جی ماہیا جانی

وے کیارے تھوماں دے

لا کے ٹر جانا جانی

اے کوئی کم نئی قوماں دے

مکتوم ان چیزوں سے انجان اور بے خبر ہونے کے باوجود اصلاں (اصل، نسل اور قوماں (ذات پات) کے طعنے کو اچھی طرح سمجھ گیا تھا اس نے لڑکیوں کے ساتھ مل کر جان بوجھ کر اس کی موجودگی میں یہ ٹپے گائے تھے جو کہ خالص پنجابی معلوم ہوتے تھے لیکن پھر بھی شہزاد تو اپنا کام نکال چکی تھی وہ اس کی طنزیہ و تمسخرانہ نظریں دیکھ چکا تھا۔

میریا جی ماہیا جانی

وے کیارے گنڈیاں دے

ابھی وہ کوئی اور تیر چھوڑنے والی تھی مکتوم پلٹ کر باہر نکل گیا تھا اور وہ اپنی فتح مندی پہ اکیلی ہی کھلکھلا کے ہنسی تھی۔ اس نے مکتوم شاہ کی خوشی کو آگ میں جھونک دیا تھا وہ باقی کا وقت بھی مومنہ پھوپھو کے پاس کمرے میں بیٹھا رہا مگر وہ پہلی سی خوشی دوبارہ نہیں آئی تھی۔ سینے میں جلن کا احساس ہو رہا تھا اور جلن ایسی تھی جس کا مرہم نہیں مل رہا تھا۔

......

''پھول کہاں ہیں؟'' اس نے ہال کمرے میں رکھی مہندی کی پلیٹوں کو دیکھ کر کہا تھا کیونکہ ابھی تک سارے فنکشن کی تیاری میں صرف پھول نظر نہیں آئے تھے باقی سب کچھ موجود تھا لڑکیاں اپنے اپنے کمروں میں تیار ہو رہی تھیں۔

''مکتوم لالا کہہ رہے تھے دس پندرہ منٹ تک پھول بھی پہنچ جائیں گے تم یوں کرو ایک بار پھر ان کو یاد دہانی کروا دو۔'' حمرا نے پاس سے گزرتے گزرتے اطلاع فراہم کی تھی۔

''یہ آپ کے مکتوم لا...... لا ملیں گے کہاں؟'' اس نے صاف طنز کیا تھا۔

''اپنے بیڈ روم میں۔''

''بیڈ روم کے سوا اور کوئی جائے پناہ جو نہیں ہے۔'' وہ منہ کے زاویے بگاڑتی ہوئی سیڑھیاں چڑھ گئی تھی اور ہمیشہ کی طرح دروازہ زور سے کھول کر بے دھڑک اندر داخل ہوئی تھی لیکن اندر داخل ہو کر احساس ہوا کہ کسی بھی مرد کے کمرے میں عورت کو اور کسی بھی عورت کے کمرے میں مرد کو یوں بے دھڑک اور بغیر اجازت کے نہیں جانا چاہیے وہ پہلی بار مکتوم شاہ کے سامنے شرمندہ ہوئی تھی اور جھجک بھی آڑے آ گئی تھی اور وہ تیزی سے رُخ موڑ کر شرٹ اٹھا چکا تھا وہ بھی مہندی کے فنکشن میں شریک ہونے کے لئے ہی تیار ہو رہا تھا۔

''جی فرمایئے؟'' وہ شرٹ کے بٹن گریبان تک بند کر کے اس کی طرف پلٹا تھا۔

''وہ...... وہ ابھی تک پھول نہیں آئے؟''

''وہ پھول حویلی کے مردان خانے میں رکھے ہیں وہ آدمی دے گیا ہے آپ ملازمہ کو بھیج کر منگوا لیجئے۔'' اور شہزاد اس کے کمرے سے تیر کی طرح نکل گئی تھی۔ بس اتنی سی بات کے لئے اتنی شرمندگی اٹھائی ذرا صبر کر لیتی تو نظر تو نیچی نہ ہوتی پھول تو آ ہی جانے تھے چاہے دیر سے سہی؟ اس نے دل ہی دل میں خود کو لعنت ملامت کی اور آئندہ ایسا کوئی دھڑلا دکھانے سے توبہ کر لی تھی اور پھر خود بھی تیار ہونے چلی گئی تھی۔ خزینہ اور طلال ایک ہی گھڑے کی مچھلیاں تھے جبکہ تو قیر شاہ اکیلے تھے ان کی شادی ساتھ والے گاؤں میں ان کی خالہ کی بیٹی سے ہو رہی تھی جس کے ساتھ وہ بچپن سے منسوب تھے مہندی کی رسم بہت دھوم دھام سے ہوئی تھی۔

''شہر...... زاد......'' خزینہ اور زرش بیک وقت اسے دیکھ کر مبہوت رہ گئی تھیں نیوی بلو اور رائل بلو کمبی نیشن کے انتہائی قیمتی اور نفیس سے ڈریس میں ملبوس ہلکے سے میک اپ کا ٹچ دیئے وہ گھنے گھنگھریالے بالوں کے ساتھ کچھ اور ہی غضب ڈھا رہی تھی اس کے تیکھے نین نقوش اور سیاہ چمکدار گردن کا احاطہ کئے رکھنے والے بال سادگی میں بھی بے پناہ دلکش لگتے تھے لیکن آج تو ان کی چھب ہی نرالی تھی۔

''ارے مجھے تو لگتا ہے ارمغان لالا بھی شادی کی ضد آج ہی کر بیٹھیں گے۔'' خزینہ اور طلال کی شادی کل تھی اس لئے خزینہ اپنے آپ کو چادر میں چھپا کر آج بارات میں شریک ہو رہی تھی کیونکہ گھر پہ تنہا رہنے کا اس کا کوئی ارادہ نہیں تھا وہ بھی تو قیر شاہ کی شادی کا ہلا گلا دیکھنا چاہتی تھی۔

''ارے شادی کی ضد تو بعد میں کریں گے پہلے اسے دیکھتے ہی بے ہوش ہوں گے ویسے ارمغان لالا کے ساتھ......''

''اسٹوپڈ اب بس بھی کرو ابھی ایسا اوٹ پٹانگ بولنے کی کوئی ضرورت نہیں بیٹھے بٹھائے رشتے داریاں بنانے سے مجھے چڑ ہوتی ہے۔''

شہزاد کو خواہ مخواہ ارمغان شاہ کے ساتھ نتھی ہونا اچھا نہیں لگ رہا تھا کیونکہ ابھی یہ بات بڑوں کے درمیان تھی اور ابھی تک باہر نہیں نکلی تھیں۔

''یہ وقت بتائے گا خیر تم جاؤ ہم آ جاتے ہیں۔'' خزینہ اور زرش کمروں کی طرف چلی گئیں اور شہزاد بھی راہداری کا کونا مڑ گئی تھی لیکن اگلے ہی پل آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا تھا اور مکتوم شاہ اپنے مضبوط ہاتھ سے اس کا نازک گداز بازو تھام کر اسے زمین بوس ہونے سے بچا گیا تھا......

شہزاد کو زیادہ تکلیف ناک کی چوٹ سے ہوئی تھی اس نے ناک پہ ہاتھ رکھے رکھے۔ نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا تھا اور اسے دیکھ کر غصہ عود کے آیا تھا لیکن مکتوم شاہ کے چہرے کے تاثرات اور ہاتھ کی مضبوط گرفت اسے ٹھٹکا گئی تھی اس کی آنکھوں میں جلا دینے والی برف جمی تھی شہزاد نے کبھی برف میں آگ نہیں دیکھی تھی لیکن آج وہ مکتوم شاہ کی آنکھوں میں برف اور آگ کو ایک ساتھ دیکھ رہی تھی اور وہ اسے ایک طرف دھکیل کر دوسری سمت چلا گیا تھا۔

''شہری کیا ہوا ہے یہاں کیوں کھڑی ہو؟'' عمیر شاہ اور نومیر شاہ وہاں سے گزرے تو اسے منہ پہ ہاتھ رکھے دیکھ کر پریشان ہو گئے تھے اس کے منہ سے ہاتھ ہٹایا تو اس کی ناک سے خون بہتا ہوا نظر آیا تھا۔

''اوہ نو یہ......کیا کیا ہے؟'' عمیر شاہ نے فوراً رومال نکال کر اس کی سمت بڑھایا تھا وہ چار بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی اور ان چاروں کو ہی بہن سے بہت پیار تھا۔ عمیر شاہ اور نومیر شاہ جڑواں تھے اور دونوں ہی تعلیم کے سلسلے میں امریکہ ہوتے تھے ابھی بھی اپنے بڑے بھائی کی شادی میں شرکت کے لئے آئے ہوئے تھے۔

''تم لوگ یہاں کیوں کھڑے ہو؟'' ندرت چاچی پاس سے گزریں تو انہیں دیکھ کر ٹھہر گئیں۔

''شہری کو چوٹ آئی ہے۔'' وہ اسے لے کر ڈرائنگ روم میں آ گئے تھے اور باہر زرش اور مومنہ پھوپھو مکتوم سے اس کی قمیص پہ لگے لپ اسٹک کے نشان کے بارے میں استفسار کر رہی تھیں۔

''پھوپھو میں ایسی ویسی چیزوں سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا۔''

''ایسی ویسی چیزوں سے کیا مطلب ہے؟'' زرش تنک گئی تھی۔

''اس چیز کو استعمال کرنے والی سے۔'' وہ لپ سٹک کے داغ کی طرف اشارہ کر کے باہر نکل گیا تھا اور دونوں ماں بیٹی ہنس پڑی تھیں۔

اور بار بار لوگوں کے استفسار اور ذو معنی باتوں سے بچنے کے لئے وہ کپڑے ہی چینج کر آیا تھا اور کپڑے تو شہزاد کو بھی چینج کرنا پڑے تھے کیونکہ ان پہ خون کا دھبا لگ چکا تھا۔ لڑکیوں کو کافی افسوس ہوا تھا اس کے نقصان پہ......

شادیوں کے ہنگامے سرد پڑے تو زندگی معمول پر آتی چلی گئی تھی مکتوم سی ایس ایس کے ایگزامز دے چکا تھا اور اب مکمل طور پر فارغ تھا اور اس کا پہلا مشن وحید کاظمی سے ملاقات کا تھا جو اس کے لئے امریکہ دریافت سے کم نہیں تھا لیکن یہی امریکہ اسے مکھن میں سے بال کی طرح دریافت ہو گیا تھا وہ اسلام آباد کے ایک ہاسپٹل کے پارکنگ لاٹ سے اپنی گاڑی نکال رہا تھا جب گاڑی پچھلی گاڑی کے بمپر سے ٹکرا گئی تھی اور غلطی بھی پیچھے والے ڈرائیور کی تھی جو اگلی گاڑی کو بیک ہوتے دیکھ کر بھی گاڑی آگے لا رہا تھا اپنی گاڑی کا کوئی نقصان تو نہیں ہوا؟ یہی دیکھنے کے لئے وہ گاڑی سے اترا آیا تھا گاڑی پر ڈینٹ پڑ گیا تھا وہ تلملا کے دوسری گاڑی کے ڈرائیور کے پاس آیا تھا۔

''آپ گاڑی دیکھ کے نہیں چلا رہے؟'' لہجہ سخت تھا لیکن سامنے نظر پڑتے ہی ساری سختی ہوا ہو گئی تھی......صورت دونوں کو جانی پہچانی لگ رہی تھی وحید کاظمی نگاہیں اس کے خدوخال سے اُلجھ گئی تھیں۔

''آپ......آپ وحید انکل؟'' وہ بے یقین سا کھڑا تھا زبان بے ربط ہو گئی تھی۔

''تم خیام شاہ کے بیٹے ہو؟'' وہ بھی گاڑی سے اُتر آئے تھے مکتوم نے ان کو تصویروں میں خیام شاہ کے ساتھ دیکھا تھا اور دھندلی سی شناخت ہوئی تھی یہی حال وحید کاظمی کا بھی تھا انہوں نے بھی خیام شاہ کے نین نقوش ذرا مشکل سے کھوجے تھے اور پھر دونوں ہی بڑی خوشی اور گرمجوشی سے بغل گیر ہوئے تھے وحید کاظمی نے باقاعدہ اس کے ماتھے پہ پیار کیا تھا آنکھیں بڑی تیزی سے نم ہوئی تھیں۔

''مکتوم جلدی آؤ دیر ہو رہی ہے۔'' گاڑی میں بیٹھے فیروز شاہ نے پکارا تھا۔

''چچا سائیں......وحید انکل......وحید کاظمی۔'' اس نے لیک کر بے ربط سے الفاظ میں کہا اور گاڑی سے اترتے فیروز شاہ وحید کاظمی کو دیکھ کر حیران رہ گئے انہوں نے مدت بعد اک دوسرے کو دیکھا تھا بہت سال پہلے وحید کاظمی خیام کے ساتھ چند روز گاؤں میں گزارنے آئے تھے اور خیام نے اپنے اکلوتے دوست کی خوب آؤ بھگت کی تھی یوں سارے بھائیوں سے جان پہچان ہوئی تھی اور اب اتنے سال بعد؟

❁......❁......❁

''میری اور خیام کی دوستی کالج میں پہلے دن ہی ہو گئی تھی شاید یہ ہماری ذہنی ہم آہنگی تھی کہ ہمیں اجنبیت کا ذرا بھی احساس نہیں ہوا تھا ہم دو چار دنوں میں ہی بے تکلف ہو گئے تھے اور یہ ہماری بے تکلفی ہی تھی کہ میں اسے اپنی منگیتر کی باتیں سنانے لگا وہ میری باتیں دلچسپی سے سنتا تھا کیونکہ اس نے خود کبھی کسی لڑکی میں انٹرسٹ نہیں لیا تھا لیکن ہماری سب سے کم عمر اور کم گو سی کلاس فیلو روحانہ مجید اسے ایسی بھائی کہ وہ ہواؤں میں اڑنے لگا تھا روحانہ مجید حجاب لیتی تھی اور وہ اس کی آنکھوں پہ فدا ہو گیا تھا لیکن جب اسے اپنانے کی خواہش ہوئی تو اپنے قبیلے اور اصولوں کو سوچ کر پریشان ہو گیا۔

''مجھے نہیں لگتا کہ روحانہ مجید میری زندگی کا حصہ بنے گی......''

''کیوں؟'' مجھے اس کی بات کی وضاحت چاہئے تھی۔

''بابا سائیں اور لالا سائیں میرا سر کاٹ دیں گے خاندان سے باہر کی عورت لانا وہ بھی شہر سے......توبہ کبھی ہو ہی نہیں سکتا۔'' اس کے انداز میں قطعیت ہوتی تھی۔

''یاروہ لوگ تم سے بہت پیار کرتے ہیں مان جائیں گے۔'' میں نے سمجھایا تھا۔

''وہ مجھ سے پیار کرتے ہیں کوئی شک نہیں لیکن مجھ سے زیادہ پیار اپنے اصولوں اور رسم ورواج سے کرتے ہیں۔'' وہ ابھی بھی انکاری تھا۔

''ویسے میں نے تو سنا ہے یہ قبائلی لوگ بیٹوں کے معاملے میں بڑے آزاد خیال اور بیٹیوں کے معاملے میں بڑے سخت اور تنگ نظر ہوتے ہیں۔'' میں نے ڈرتے ڈرتے کہا تھا اور وہ میرا ڈر بھانپ گیا تھا اسی لئے ہنس پڑا۔

''یار لوگوں کی باتیں ہیں صرف ورنہ اپنی ناک اور پگڑ اونچا رکھنے کے لئے بیٹی اور بیٹے دونوں کو چھری تلے رکھنے سے گریز نہیں کرتے۔'' وہ سخت جھنجھلایا ہوا تھا رات بھر اس نے میرا سر کھائے رکھا اور صبح تک میں زچ ہو چکا تھا اسے مختلف آئیڈیاز بھی دیئے مگر وہ کسی طور نہ مانا لیکن اگلے دو روز تک معاملہ بالکل ہی اُلٹ ہو جائے گا ہمیں اندازہ نہیں تھا روحانہ مجید کالج سے غائب تھی میں نے اس کے کہنے پر خفیہ انداز میں ایک لڑکی سے اس کی غیر حاضری کا پوچھا تو پتہ چلا کہ اس کے والد محترم کا شدید ایکسیڈنٹ ہوا ہے اور وہ ہاسپٹل میں ہیں روحانہ کی والدہ تو پہلے ہی حیات نہیں تھیں اب باپ کی حالت اسے پاگل کر گئی تھی ہم ہمت کر کے عیادت کے لئے چلے گئے اور پھر مسلسل پانچ روز خیام نے مجید نیازی کی خوب خدمت کی روحانہ کا اور کوئی بہن بھائی اور رشتہ دار نہیں تھا وہ اکیلی تھی اس اکیلے پن میں خیام کا سہارا پا کر مضبوط ہو گئی تھی۔

''ویسے بھی وہ دو سال سے خیام شاہ کی خاموش محبت کو محسوس کرتی آ رہی تھی یہی وجہ تھی کہ تین چار دنوں میں ہی وہ اسے اپنے قریب سمجھنے لگی تھی لیکن ایکسیڈنٹ کے دو ہفتے بعد مجید نیازی کی موت اسے توڑ گئی اور مجھے بھی ایسا لگا کہ خیام کو اس کا ساتھ دینا چاہئے عمر بھر کا ساتھ......اور پھر میرے مشورے اور اصرار پہ وہ اس سے شادی کے لئے راضی ہو گیا۔

میں جانتا تھا کہ وہ دل سے ایسا ہی چاہتا ہے مگر گھر والوں کا سوچ کر رک جاتا ہے لیکن جب میں نے کہا کہ دل تیرا ہے، زندگی تیری ہے، فیصلہ بھی تیرا ہونا چاہئے تو وہ کچھ بہل سا گیا تھا اور ایک شب دونوں کی رضامندی سے ان کا نکاح ہو گیا، نکاح تو ہوا تھا لیکن اس نے شوق سبھی پورے کئے تھے روحانہ کے لئے زیورات اور عروسی لباس خریدا میں نے اپنا فلیٹ ان کے لئے ڈیکوریٹ کر دیا کیونکہ روحانہ کے والد صاحب کرائے کے مکان میں رہ رہے تھے اور اب وہ مکان چھوڑنا تھا اس لئے وہ دلہن کو اپنے شہر والے بنگلے میں بھی نہیں لے کر جا سکتا تھا کہ کہیں بابا سائیں اور لالا سائیں چھاپہ ہی نہ مار دیں یا پھر ملازم کچھ اُگل دیں اسی ڈر سے وہ دُلہن کو میرے فلیٹ میں لے گیا چند روز روحانہ کو وہیں رکھنے کا ارادہ تھا کیونکہ وہ اس کے لئے کوئی فلیٹ ڈھونڈ رہا تھا لیکن اتنی جلدی فلیٹ تو نہ ملا البتہ ہاسٹل میں کمرہ مل گیا تھا روحانہ ابھی بھی کالج میں پڑھ رہی تھی اسے ہاسٹل میں چھوڑنے کے بعد وہ گاؤں چلا گیا اس کا ارادہ تھا کہ اپنی بھائیوں اور بہن کے ذریعے ماں باپ کو روحانہ کے لئے موم کر لے گا۔

لیکن حویلی جا کر پتہ چلا کہ بھابی میکے گئی ہوئی ہیں اور بہن کے امتحان ہو رہے ہیں وہ شہر آنے جانے اور امتحانوں کی تیاریوں میں مصروف ہے اس لئے ڈسٹرب نہیں کیا اور واپس آ گیا لیکن واپس آ کر یہ بھی بتایا تھا کہ بابا سائیں نے کوئی فیصلہ کیا ہے جو شاید دوسری پارٹی کو ناگوار گزرا ہے اس لئے زندگی میں پہلی بار اپنے فیصلے سے انحراف ہونے کی وجہ سے وہ بھرے ہوئے ہیں اور کچھ عرصہ تک ان سے بھی بات کرنے کا کوئی امکان نہیں لہٰذا فی الحال چپ ہی بہتر ہے اسی دوران کچھ مہینے گزر گئے۔ لیکن جیسے ہی روحانہ کے پریگننٹ ہونے کا پتہ چلا تو وہ گھبرا گیا تھا اور اس کی گھبراہٹ پر

روحانہ بھابی اور میں پریشان ہو گئے۔

''کیوں تمہیں بچے اچھے نہیں لگتے؟'' ''ارے یار بچے میری جان ہیں میں لالا سائیں کے بچوں کو اتنا پیار کرتا ہوں کہ وہ رو پڑتے ہیں یہ تو...... یہ تو اپنا جگر گوشہ ہوگا اپنے سینے پہ کھیلے گا لیکن یار ڈرتا ہوں کہیں بابا سائیں اور لالا سائیں میرا سینہ اس قابل ہی نہ چھوڑیں کہ......''

''بکواس نہ کیا کرو جاؤ کل ہی حویلی کے حالات دیکھو اور بھابی وغیرہ سے بات کرو۔'' میں نے اسے جھڑک دیا تھا اور وہ اگلے ہی روز حویلی چلا گیا تھا ان دنوں مخالف پارٹی کے ساتھ آپ کے حالات کافی خراب تھے اور انہی دنوں میں اپنے گھر والوں کے ساتھ کینیڈا جا رہا تھا اچانک ہی ہمارے ٹکٹ کنفرم ہو کر آ گئے تھے یوں بہت جلد مجھے پاکستان کو الوداع کہہ دینا تھا لیکن اس کے جاتے ہی روحانہ بھابی کی طبیعت خراب ہو گئی انہیں سردی لگ گئی تھی اور مجھے ان کی وارڈن نے بلایا میں نے فوراً حویلی فون کیا اور خیام کو واپس بلا لیا۔

''خیریت تو ہے؟'' اس کی متفکر اُلجھی اُلجھی پریشان سی حالت دیکھ کر میں قریب بیٹھ گیا وہ راہداری میں رکھے بینچ پہ بیٹھا تھا۔

''بابا سائیں اور لالا سائیں نے شمشاد کو فیصلہ سنایا ہے کہ مخالف پارٹی کو خون بہا میں اپنی بیٹی دے دیں لیکن شمشاد خان کسی بھی صورت اس فیصلے کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہے۔''

''کیوں وہ کیوں خون بہا نہیں دینا چاہتا جبکہ اس کے بیٹے سے قتل بھی ہوا ہے۔'' میں مسئلہ جانتا تھا۔

''ہو سکتا ہے اسے اپنی بیٹی بہت پیاری ہو بہت لاڈلی ہو اور تم جانتے ہو اپنی پیاری اور لاڈلی چیز کسی دوست کو دینے کو دل نہیں چاہتا یہ تو پھر دشمن کو دینے کی بات ہے۔'' اسے شمشاد خان کا احساس سب سے زیادہ تھا۔

''وحید تم یقین نہ کرو گے جب سے مجھے باپ بننے کا احساس ہوا ہے میں کتنا خوش اور حساس ہو گیا ہوں ہر ماں باپ اور اولاد کے جذبات کی سمجھ آ گئی ہے اور سچ پوچھو تو میں لالا سائیں اور بابا سائیں کے اس سنگدلانہ فیصلے سے ذرا خوش نہیں ہوں لیکن جو کچھ حالات ہیں ان کو سمجھانا بہت مشکل ہے......''

''پھر کیا ہوگا؟'' میں بھی متفکر ہو چکا تھا اندر روحانہ بھابی ہوش میں آ چکی تھیں۔

''جو کچھ ہوگا میں تمہیں صبح بتاؤں گا۔'' وہ کہہ کر اندر چلا گیا رات ان کو ہاسپٹل میں رکھنے کے بعد ڈاکٹر نے ڈسچارج کر دیا تھا اور بیڈ ریسٹ بتایا تھا ان کو دوبارہ ہاسٹل چھوڑا وارڈن کو بھاری رقم دے کر ان کا خیال رکھنے کی تاکید کی اور اس کے بنگلے پہ آ گئے۔

''میں اپنا سارا بینک بیلنس تمہارے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کر رہا ہوں اور یہ روحانہ کے کچھ زیورات بھی تمہارے لاکر میں رکھوا رہا ہوں اس کے علاوہ چند روز پہلے تم نے جو بنگلہ مجھے دکھایا تھا۔ وہ میں خریدنا چاہتا ہوں آج اور ابھی۔'' اس نے اپنا لاکر کھول کر سب کچھ میرے سامنے رکھ دیا اور میری حالت عجیب سی ہو گئی۔

''یہ سب کیا ہے کیوں کر رہے ہو؟''

''دیکھو کاظمی میرے لالا سائیں کو میرا اعتبار نہیں ہے وہ کہتے ہیں میں انہیں تنہا کر کے بھاگ رہا ہوں ان کی پشت خالی کر رہا ہوں لیکن وہ یہ

نہیں جانتے کہ مجھے ان سے بڑھ کے کوئی عزیز نہیں، میں تو انہیں ابھی تک صرف اس لئے سمجھا تا رہا ہوں کہ ایک بیٹی کا معاملہ ہے اور کبھی کبھی بیٹیاں بیٹوں سے بھی زیادہ پیاری ہو جاتی ہیں، وہ اس بات کو انا کا مسئلہ نہ بنائیں لیکن وہ نہیں مانے بہر حال میں انہیں تنہا تو نہیں چھوڑ سکتا نا؟ اس لئے مجھے کل ہی واپس گاؤں جانا ہے کوئی پتہ نہیں کب گولا باری شروع ہو جائے اور کب قضا آ جائے ہمارے علاقے میں زندگیوں کے کھیل ایسے ہی کھیلے جاتے ہیں اب دیکھو ہمارا کیا بنتا ہے بہر حال اپنے بیوی بچے کے تحفظ کے لئے میرے پاس جو کچھ بھی ہے چھوڑ کے جا رہا ہوں معاملہ سلجھ گیا تو آ جاؤں گا تم سے سب کچھ لے لوں گا اور اگر نہ آ سکا تو تم یہ امانتیں میری بیوی، بچے تک پہنچا دینا لیکن یاد رکھنا یہ امانتیں یا تو روحانہ کو دینی ہیں یا پھر میرے بچے کو او کے؟'' اس نے بریف کیس میرے سامنے رکھ دیا تھا اور پھر ایک دن کے اندر اندر اس نے ہزاروں کام نپٹا ڈالے تھے۔

''اچھا ایک بات تو بتاؤ یہ اتنے زیور اور روپے آئے کہاں سے؟'' میں پوچھنے پر مجبور ہو گیا تھا اور وہ ہنسنے پہ مجبور ہو گیا۔

''پیدائشی اور جدی پشتی رئیس زادہ ہوں اور دوسری بات یہ کہ فضول خرچ نہیں ہوں جو کچھ دیکھ رہے ہو۔ یہ میری جیب خرچ سے ہے۔'' وہ اپنی سمجھ داری پہ کالر کھڑے کر رہا تھا اور مجھے اس کی یہ سمجھ داری بہت اچھی لگی تھی۔

''لیکن خیام یہ سب کچھ تم روحانہ بھابی کے حوالے بھی تو کر سکتے ہو؟'' میں نے بالآخر کہہ ہی دیا۔

''یقیناً کر سکتا ہوں لیکن وہ ابھی اپنے آپ کو اس قابل اور بہادر نہیں سمجھتی ہاسٹل میں کافی بور ہو چکی ہے بنگلے کی تعمیر کا کام تو تقریباً ختم ہو ہی چکا ہے بہت جلد اسے وہاں شفٹ کر دیں گے اور ہاں تم ذرا جلدی پاکستان کا چکر لگانا۔'' ایئر پورٹ تک وہ مجھے سی آف کرنے آیا تھا اور اس کے کہنے کے مطابق وہ مجھے سی آف کرنے کے بعد ہاسٹل گیا تھا روحانہ بھابی سے ملنے وہ پھول اور گفٹ لے کر گیا تھا کل سے ذرا بہتر ہو چکی تھیں اور گاؤں جانے سے پہلے وہ انہیں بھی کچھ تاکیدیں کر کے گیا تھا اور اپنے والٹ سے پچاس ہزار کی رقم بھی دے کر گیا تھا یعنی وہ گاؤں جانے سے پہلے اپنی ہر چیز دے گیا تھا حتیٰ کہ اپنے گلے کی چین بھی ان کو پہنا گیا تھا یہ ساری باتیں اس نے مجھے آخری کال میں بتائی تھیں اور اس کے بعد میرا کسی سے کوئی رابطہ نہیں ہو سکا ہم ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بچھڑ گئے تھے......''

پیر سائیں اور احمد شاہ ہچکیوں سے رو رہے تھے خود وحید کاظمی کے آنسو بھی رخساروں پہ پھسل چکے تھے مردان خانے میں مکمل سکوت تھا حویلی کے تمام مرد اندر موجود تھے اور خیام شاہ کے دوست کی باتیں سننے کے لئے مردان خانے کی جالی کے ساتھ کھڑی عورتیں بھی رو پڑی تھیں اور شہزاد جو مکتوم کی اصلیت جاننے کے لئے ایکسائیٹڈ ہو رہی تھی اس کی اصلیت جان کر دم بخود رہ گئی تھی۔

''بیٹا میں تم سے شرمندہ ہوں تمہارا مجرم ہوں مجھے معاف کر دو یہ تمہاری امانتیں جلدی نہیں لوٹا سکا مگر ان کی حفاظت اپنے مال سے بھی زیادہ کی ہے۔'' وحید کاظمی مکتوم سے درخواست کر رہے تھے جو پتھر کے مجسمے کی طرح ساکت بیٹھا تھا۔

''دیکھو بیٹا میں یہاں سے جاتے ہی مشکلات میں گھر گیا تھا میرے ماں باپ نے میری شادی کر دی مجھے اپنا گھر بنانا تھا بیوی بچوں کا بوجھ اٹھانا تھا لیکن ان لوگوں کو میرا بوجھ اٹھانا پڑ گیا میری ٹانگوں میں فریکچر ہو گیا تھا دو سال اس تکلیف میں گزر گئے انڈیا سے علاج کروانا پڑا پانچ سال بعد پاکستان آیا اور سب سے پہلے روحانہ بھابی سے ملنے کی کوشش کیونکہ خیام کی زندگی کی امید تو میں پانچ سال پہلے ہی ختم کر چکا تھا اگر وہ زندہ ہوتا تو

مجھ سے رابطہ ضرور کرتا ہاسٹل گیا تو پتہ چلا کہ وارڈن نے روحانہ بھابی کو نکال دیا تھا اب نجانے وہ کہاں تھیں البتہ وارڈن کے خیال میں وہ اپنے سسرال چلی گئی تھیں اور یہ سن کر مجھے اندر ہی اندر تسلی ہوئی تھی پھر تقریباً دس سال بعد میں واپس آیا اور یہاں حویلی میں بھی آیا مکتوم کے بارے میں پتہ چلا تو بے حد خوشی ہوئی تھی لیکن روحانہ بھابی کی وفات کا سن کر بہت افسوس ہوا تھا اس روز آپ سب لوگ کسی شادی میں شرکت کے لئے پشاور گئے ہوئے تھے مجھے مایوس لوٹنا پڑا اور تب سے اب تک میری بیوی بیمار ہے جس کے بعد مجھے کسی چیز کا ہوش نہیں رہا بچوں کی دیکھ بھال، کاروبار کی دیکھ بھال بیوی کا علاج وغیرہ اس لئے اتنی تاخیر ہوئی پلیز مجھے معاف کردو......" وہ نادم ہو رہے تھے اور مکتوم کے تاثرات ہنوز پتھر تھے۔

"یہ تمہارے ماں باپ کا نکاح نامہ، یہ نکاح کے دن کی تصویریں، یہ کاغذات......" لیکن مکتوم کے پتھر مجسمے میں جان پڑ گئی تھی اسے صرف تصویریں اور نکاح نامہ دکھائی دے رہا تھا اور کسی چیز کی طلب نہیں تھی۔

"یہ خیام کی پرسنل ڈائریاں ہیں اور یہ تمہارے بنگلے کے پیپر ہیں جب اس نے یہ بنگلہ خریدا تھا تب تکمیل کے آخری مراحل میں تھا اب یہ ایک مکمل تیار شدہ بنگلہ ہے میں جب بھی پاکستان آتا ہوں بنگلے کی دیکھ بھال ضرور کرواتا تھا اور ایک چوکیدار بھی رکھا ہوا تھا اب تم مالک ہو جو چاہو کر سکتے ہو۔"

وحید کاظمی اسے سب کچھ مکمل تفصیل سے بتا رہے تھے اور مکتوم دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ کے حضور سجدے میں گر گیا تھا اور باہر کان لگائے کھڑی عورتوں کے سنگ شہزادجھاگ کی طرح بیٹھ گئی تھی مکتوم کو آئینہ دکھاتے دکھاتے خود آئینہ دیکھ بیٹھی تھی کہ مکتوم کے باپ نے اس کے باپ (پیر سائیں) پہ جان واری تھی الٹا وہ لوگ مکتوم کے مقروض نکلے تھے حساب کتاب کرنے بیٹھے تھے اور لینے کے دینے پڑ گئے تھے......اور آج ایک بار پھر خیام شاہ کی جواں مرگ پہ حویلی کی ہر آنکھ اشکبار ہو چکی تھی ہر دل میں درد نئے سرے سے اتر گیا تھا۔

❁......❁......❁

اے خاموش خلا کے مالک تیری قسم

بزم جہاں میں تجھ سے زیادہ تنہا ہوں

ریزہ ریزہ ٹوٹ چکا ہوں اندر سے

گھر سے باہر گردن تان کے چلتا ہوں

مکتوم شاہ پچھلے پانچ روز سے تیز بخار میں پھنک رہا تھا وحید کاظمی کی حویلی میں آمد اور پھر نئے انکشافات ہونے کا اس نے نجانے کیا اثر لیا تھا کہ اسی روز سے جیسے آگ میں جل رہا تھا۔

مومنہ پھوپھو، زرش، سحرش، احمد شاہ، میراں بی بی، حمرا، نوریہ سب نے اس کا بہت خیال رکھا تھا لیکن وہ بالکل چپ ہو گیا تھا اس کی قوت گویائی جیسے گم ہو کے رہ گئی تھی اور کسی کو کچھ پتہ نہ چلا کہ اس پہ کس چیز کا اثر ہوا ہے وہ پہلے ہی کم گو اور سنجیدہ تھا لیکن اب تو ان دونوں کیفیات کی حدوں کو چھو رہا تھا کوئی بھی اس سے بات کرتا وہ جواب ہی نہیں دیتا تھا بالآخر پیر سائیں کو ہی بولنا پڑا تھا۔

"ہم جانتے ہیں تمہارا دکھ بہت بڑا ہے ہم پوری دنیا اٹھا کر تمہارے قدموں میں رکھ دیں پھر بھی وہ کمی دور نہیں کر سکتے لیکن بیٹا ہمیں اپنے

دکھ میں شریک کرو گے تو تمہارا بوجھ کچھ نہ کچھ......"

"پیر سائیں میں لاہور جانا چاہتا ہوں۔" وہ ہمیشہ جانے سے پہلے اجازت لیتا تھا لیکن آج اجازت کا طریقہ کچھ اور تھا لہجہ سرد تھا وہ چپ ہو گئے تھے اور چپ تو حویلی کے تمام افراد بھی ہو چکے تھے سب کی زبانیں بند ہو چکی تھیں سب کے نشتر تو شاید رک گئے تھے لیکن جو نشتر دل میں اتر چکے تھے ان کو نکالنا ممکن نہیں تھا کیونکہ وہ بہت گہرائی میں جا اترے تھے جن کو اب نکالا بھی جاتا تو بھی دل کی حالت چھلنی ہی نظر آتی۔ "لیکن تمہارے ایگزامز تو ختم ہو چکے ہیں اب تم......"

"اب میں اپنی زندگی شروع کرنا چاہتا ہوں اور میرا خیال ہے......"

"مکتوم تم یہ سب کیا کر رہے ہو، کیا کہہ رہے ہو اس حویلی میں تمہارا برابر کا حصہ ہے تمہاری زندگی یہیں سے شروع ہوتی ہے اور......"

"میں ہمیشہ کے لیے نہیں جا رہا پیر سائیں یہ حویلی یہ گاؤں یہ قبیلہ میرے باپ کی آبائی وراثت ہیں میرے بابا نے اگر موت سے ڈر کے شہر کا رخ نہیں کیا تو میں بھی کچھ کرنے کا نہیں سوچ سکتا۔" اس نے انہیں روک دیا تھا اور انہیں اس کی بات سے اطمینان ہو گیا۔

"واپس کب آؤ گے؟"

"جب آپ نے حکم کیا۔" اس نے ہمیشہ کی طرح سعادت مندی سے ان کا مان رکھ لیا تھا وہ بہت خوش ہوئے تھے اور مکتوم شاہ ان سے اجازت لے کر لاہور چلا گیا تھا اب اسے اپنی زندگی بنانی تھی اپنا مستقبل سوچنا تھا۔

❁......❁......❁

آگہی کے مختلف روپ ہوتے ہیں مختلف شکلیں ہوتیں ہیں کبھی کبھی انسان کسی چیز کی آگہی سے عذاب میں آجاتا ہے اور سوچتا ہے اس آگہی سے بے خبری بھلی تھی آگہی سے کیا پایا؟ بے قراری ہی بے قراری پچھتاوا ہی پچھتاوا اور کبھی کبھی یہی آگہی ہمارے لئے راحت جان بن جاتی ہے لحہ بہ لحہ شعور میں اترتی ہے تو سکون دے جاتی ہے دل و دماغ سرشار سے ہو جاتے ہیں تب لفظ "آگہی" بھی بڑا دلکش لگتا ہے لیکن کبھی کبھار انسان کے لئے یہی آگہی بالکل خالی پن لے کر آتی ہے انسان سب کچھ جاننے بوجھنے کے بعد بھی خالی رہ جاتا ہے نہ عذاب ملتا ہے نہ راحت جاں بس فقط خالی پن ہوتا ہے اور انسان ہوتا ہے اور یہی تیسرے روپ کی آگہی مکتوم شاہ کے دل و دماغ پہ ثبت ہو گئی تھی وہ ابھی بھی خالی تھا بالکل جامد بس ایک ہی مقام پہ ٹھہرا ہوا ہر سرد و گرم سے بے بہرہ ہر احساس سے دور ہر جذبے سے پرے...... جیسے کسی اور کی زندگی جی رہا ہو اور اس زندگی سے کوئی مطلب کوئی سروکار ہی نہ ہو بس جینے کی ذمہ داری نبھانا تھی اور وہ جیسے تیسرے نبھ رہی تھی۔

اگرچہ اسے گورنمنٹ کی طرف سے بہت اچھی پوسٹ آفر ہوئی تھی لیکن اس نے یہ آفر مسترد کر ڈالی تھی چند پرائیویٹ اداروں نے بھی اس کی ذہانت کے لئے اپنے در کھولے تھے لیکن اس نے یہ در بھی بند کر دیئے تھے۔

"دماغ ٹھکانے پہ تو ہے یہ کیا کر رہے ہو اپنے ہاتھوں سے اپنا کیریئر تباہ کر رہے ہو؟" توقیر شاہ لاہور آئے ہوئے تھے ساری تفصیل جاننے کے بعد حیرت سے چلا اٹھے۔ وہ نہ جانے کیا کیا بولتے رہے اور وہ خاموشی سے سنتا رہا اور جب وہ خاموش ہوئے تو آہستگی سے بول اٹھا۔

''میں بزنس کرنا چاہتا ہوں۔'' انتہائی مختصر سی اطلاع تھی۔

''کیا بزنس؟ لیکن وہ سی ایس ایس وہ کسی اچھی پوسٹ پہ کام کرنے کا ارادہ؟ وہ کیا ہوئے؟ یہ اچانک بزنس کا خیال کیوں؟'' تو قیر شاہ نے بیک وقت اتنے سوال داغ دیئے تھے۔

''جو کچھ میں چاہتا ہوں وہ مجھے کسی بھی اچھی پوسٹ سے حاصل نہیں ہوگا میں پابند ہو کر رہ جاؤں گا جبکہ میں بہت آگے جانا چاہتا ہوں جس کے لئے پابند نہیں آزاد ہونا شرط ہے اور یہ آزادی صرف بزنس میں ہوتی ہے نوکری اور عہدوں میں نہیں ہوتی۔''

''لیکن اچانک تمہارا ارادہ کیوں بدلا؟'' تو قیر شاہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

''کیونکہ یہ میرے بابا کا خواب ہے۔'' وہ کرسی سے کھڑا ہو گیا تھا تو قیر شاہ کی آنکھوں میں ابھی بھی اُلجھن تھی۔

''بابا کا خواب کیا مطلب؟'' تو قیر شاہ کے سوال پہ اس نے خیام شاہ کی ڈائری اٹھا کر سامنے کی تھی اور سمجھ گئے۔

''لیکن اس کے لئے تو تمہیں......''

''میرے بابا نے میرے لئے اتنا کچھ تو ضرور چھوڑا ہے کہ میں اس وقت کسی بھی کمپنی میں پچیس فیصد کا حصہ دار بن سکتا ہوں۔''

اس کے لہجے میں مضبوطی اور اعتماد تھا یعنی وہ سوچ چکا تھا اسے اب وہی کرنا تھا تو قیر شاہ نے مزید کچھ نہ کہا اور یوں باہمی مشورے سے وحید کاظمی اور مکتوم شاہ نے بزنس شروع کر لیا وحید کاظمی کا کاروبار پہلے ہی کافی اچھا جا رہا تھا لیکن اب اسے وسیع پیمانے پہ پھیلانے کا منصوبہ تیار ہوا تھا اور دونوں فریقین ہی ایک دوسرے کے ساتھ ہنڈرڈ پرسنٹ مطمئن تھے اور کام کا آغاز مکمل اعتماد اور دیانت داری سے ہوا تھا۔

بزنس میں الجھ کر مکتوم شاہ پہلے سے زیادہ گم ہو گیا تھا مہینوں اس کی صورت نظر نہیں آتی تھی وہ کبھی کراچی کبھی اسلام آباد میں ہوتا، جب بی بی جان اور پیر سائیں کو دوبارہ سے اس کی شادی کا شوق ہوا تھا اور انہوں نے پہلی فرصت میں ہی اسے گاؤں بلا لیا تھا وہ کراچی سے بائی ایئر اسلام آباد پہنچا اور اپنے گاؤں کا رخ کیا تھا چاہے کچھ بھی ہو جاتا گاؤں میں داخل ہوتے ہی بہت سکون کا احساس ہوتا تھا......

''السلام علیکم......'' اس وقت سب ہی لاؤنج میں بیٹھے تھے جب وہ اچانک اندر آیا تھا۔

''بسم اللہ! بسم اللہ......'' میراں بی بی والہانہ لپکی تھیں۔

''اے ہے میرا شاہ پتر آیا ہے۔'' بی بی جان بھی اٹھنے کی کوشش کرنے لگیں گھٹنوں میں درد جو رہتا تھا اور وہ میراں بی بی سے مل کر ان کے قریب جھک گیا تھا شہزاد نے اسے تیکھی اور تنقیدی نگاہوں سے جانچا تھا وہ پہلے سے زیادہ صحت مند اور اجنبی لگ رہا تھا اس کے چہرے کی رنگت میں تازگی اور اک عجیب سا سنہرا پن تھا اس کی پرسنالٹی میں کشش پہلے بھی تھی یا نہیں مگر اب کی بار شہزاد چونک گئی تھی وہ حیران تھی کہ ایسا سکون اور ٹھہراؤ پہلے بھی تو ہوتا تھا لیکن اب ایسا کیا ہے کہ وہ یوں الگ نظر آ رہا ہے شاید اسے اپنی ذات پہ قرار آ گیا تھا اسے اپنے ہونے کا مان مل گیا تھا پہلے وہ صرف مکتوم شاہ ہوتا تھا اب سید زادہ مکتوم شاہ ہو گیا تھا۔

''تیرے پیر سائیں نے بلایا ہے تجھے وہ کہہ رہے تھے کہ اب تیری اور شہزاد کی شادی سے بھی فارغ ہو ہی جانا چاہئے......'' بی بی جان کی

بات نہ جانے کہاں سے شروع ہوئی تھی لیکن اس جملے سے دھماکہ کر گئی تھی شہزاد نے خیالات سے چونک کر دیکھا تھا اور اس سے بھی زیادہ چونک کر مکتوم شاہ نے دیکھا دونوں کی نگاہیں ٹکرائیں۔

''ارمغان کو بھی شادی کی بڑی جلدی ہے کہتا ہے شہزاد کے امتحان ہوں یا نہیں مجھے شادی کرنی ہی کرنی ہے اور تم جانتے ہو زرینہ بھی اس سال یونیورسٹی سے فارغ ہو جائے گی......'' ندرت چاچی نے بڑے پیار سے مکتوم شاہ کو باور کروا دیا کہ تمہارے لئے زرینہ کو منتخب کیا گیا ہے اور ارمغان کے لئے شہزاد کو...... ''بی بی جان ابھی اسے دم تو لینے دیں آتے ہی پریشان کر دیا۔'' میراں بی بی اس کے لئے خود جوس لے کر آئی تھیں مکتوم شاہ کے کھانے کا خیال وہ خود رکھتی تھیں یہ کام کبھی ملازموں پہ نہیں چھوڑا تھا۔

''اس میں پریشانی کی کیا بات ہوئی بھلا اس کی شادی کا ذکر کر رہے ہیں ماشاءاللہ جوڑیاں دونوں ہی پیاری ہوں گی۔'' جواب بی بی جان کے بجائے ندرت چاچی نے دیا تھا آخر ان کو بیٹھے بٹھائے دو ہیرے مل رہے تھے ایک شہزاد کی صورت اور ایک مکتوم شاہ کی صورت مگر میراں بی بی کو مکتوم اور زرینہ کے حوالے سے یہ فیصلہ پسند نہیں آیا تھا وہ مکتوم کی پسند سے اس کی شادی کرنا چاہتی تھیں مگر ابھی تک واضح الفاظ میں اپنی پسندیدگی کا کوئی اظہار نہیں کیا تھا کیونکہ ابھی مکتوم کی رائے لینا تھی۔ شہزاد ہاتھ میں پکڑا اخبار ٹیبل پہ رکھ کے وہاں سے چلی گئی تھی وہ بھی نظر جھکا چکا تھا۔

''مجھے آپ کا فیصلہ منظور ہے آپ جو چاہیں کر سکتے ہیں۔'' وہ زرینہ کے لئے رضامندی دے چکا تھا اور پیر سائیں اس کے جواب پہ جیسے خوشی سے نازاں ہو گئے مگر میراں بی بی صبر نہیں کر سکی تھیں۔

''یہ کیا کیا ہے؟'' جب تم زرینہ کو پسند نہیں کرتے تو پھر......''

''تائی ماں یہاں بیٹھیں۔'' اس نے انہیں کندھوں سے تھام کے اپنے سامنے بیڈ پہ بٹھا دیا اور خود دوزانو بیٹھ گیا۔

''آپ یہاں کے رسم و رواج جانتی ہیں ناں؟ اور یہ بھی جانتی ہیں کہ کوئی لڑکی خاندان سے باہر کی بھی نہیں لائی جا سکتی۔''

''لیکن بیٹا خاندان میں اور بھی لڑکیاں ہیں زرینہ تمہارے ساتھ نہیں سجے گی وہ کافی چالاک اور بد دماغ لڑکی ہے تم اس کی باتیں نہیں جانتے۔''

''ہاں تائی ماں یہی تو بات ہے کہ میں اس کی باتیں نہیں جانتا کیونکہ جن کی باتیں ہم جانتے ہیں شادی تو اس سے بھی نہیں کر سکتے۔''

میراں بی بی چپ ہو گئی تھیں وہ ان کے ہاتھ پکڑ کر اپنے چہرے پہ رکھ چکا تھا۔

''میرے ساتھ تو کوئی بھی سج جائے گی چاہے اس حویلی کی کوئی نوکرانی میری دلہن بنا دیں۔'' اس نے دلچسپی سے کہا اور میراں بی بی اٹھ کر چلی گئی تھیں۔

امتحانوں کے بعد منگنی کا ارادہ تھا کیونکہ ابھی وہ فارغ نہیں تھا اور ویسے بھی ابھی شہزاد اور زرینہ کے امتحان قریب تھے اور پھر پانچ چھ ماہ کے وقفے سے شادیوں کی پلاننگ ہوئی تھی وہ کل آیا تھا اور آج واپس جا رہا تھا اور اسے میٹنگ میں شریک ہونا تھا۔

''شاہ پتر شہزاد کو بھی لاہور جانا ہے ٹھہر جاؤ اسے بھی ساتھ لے جانا۔'' بی بی جان نے اسے اٹھتے دیکھ کر کہا تھا۔

''لیکن مجھے ابھی لاہور نہیں جانا میں پہلے اسلام آباد جاؤں گا اور پھر لاہور اس لئے آپ یہ ذمہ داری کسی ڈرائیور کو سونپ دیں۔''اس نے ذراسا جھک کر ان سے دعا لی تھی۔

''پتر اسے ضرور کام ہے۔''

''بی بی جان مجھا اپنے ضروری کام کی فکر ہے آپ کی شہزاد کے لئے تو ہزاروں ملازم قطار میں کھڑے ہیں کسی کو بھی حکم کر دیں ویسے بھی حویلی میں اور بھی مرد حضرات رہتے ہیں یہ کام آسانی سے کر سکتے ہیں۔'' وہ کہہ کر نکل گیا تھا اور شہزاد کھول کے رہ گئی تھی جی چاہ رہا تھا مکتوم شاہ کو گولی سے اڑادے......

ہونہہ ہماری بلی ہمیں ہی میاؤں۔''اس نے تمسخر سے کہا۔''گھٹیا انسان کی سوچ گھٹیا ہی ہوتی ہے ذلیل کمینہ......'' وہ بڑبڑاتی ہوئی پیر سائیں کو فون ملانے لگی کہ اسے چھوڑنے کا انتظام کروائیں۔

❁......❁......❁

تم نے کسی کے دباؤ میں آ کر تو یہ رشتہ قبول نہیں کیا؟''مومنہ پھوپھو نے پہلی فرصت میں اسے کال کیا تھا۔

''نہیں پھوپھو مجھ پہ بھلا کون دباؤ ڈالے گا؟''اس نے نرمی سے جواب دیا۔

''تو پھر ایسا کیوں کیا؟''مومنہ پھوپھو کو بھی میراں بی بی جیسی بے چینی ہو رہی تھی۔

''کیا کیا ہے اپنی چچازاد سے شادی کے لیے ہامی بھری ہے اور بس......''

مکتوم تم جانتے ہوں میں ایسا کیوں کہہ رہی ہوں میں نے ہمیشہ تمہارے لئے شہزاد کو سوچا ہے اور اس بات کا ذکر میں نے میراں بھر جائی سے بھی کیا تھا وہ بھی یہی چاہتی تھیں لیکن وہ اس خوف سے چپ تھیں کہ شہزاد کا رویہ کبھی بھی تمہارے ساتھ اچھا نہیں رہا اور تم دونوں میں ذہنی ہم آہنگی نہیں ہے اس لئے انہوں نے تم سے اس خواہش کا اظہار نہیں کیا مگر تم نے زرینہ کے لئے رضامندی دے کر مجھے یہ سوچنے پہ مجبور کر دیا ہے کہ ذہنی ہم آہنگی تو تمہاری اور زرینہ کی بھی نہیں ہے جب قریب سے اک دوسرے کو جانو گے تو سب کچھ ہو جائے گا اور اگر زرینہ سے ہم آہنگی ہو سکتی ہے تو شہزاد کیوں نہیں وہ بھی تو......''

''پلیز پھوپھو میں اور شہزاد ندی کے دو کنارے ہیں جو کبھی نہیں مل سکتے میرے لئے زرینہ ہی بہتر ہے کم از کم اس نے میرے سامنے کبھی میری ماں پہ انگلی تو نہیں اٹھائی ناں؟''اس نے انتہائی دوٹوک لہجے میں کہہ کر مومنہ پھوپھو کو خاموش کروا دیا تھا لیکن وہ اتنی جلدی اور آسانی سے چپ ہونے والی نہیں تھیں۔

''دیکھو مکتوم میں صرف اس بات کو سوچتی ہوں کہ کلام شاہ اور خیام شاہ زندگی کے کسی مقام پہ تو جڑ جائیں ایک ساتھ مل بیٹھیں ایک دوسرے کے ہو جائیں یہ کیا ہوا کہ ہمیشہ ان بھائیوں کو ہی اک دوسرے سے اختلاف ہوا ہے کبھی اپنی زندگی میں اور کبھی اولادوں کی زندگی میں......''

مومنہ پھوپھو کا لہجہ بے حد خفگی لئے ہوئے تھا مکتوم نے اک گہری سانس کھینچی تھی۔

''پھوپھو آپ جانتی ہیں ہمارا قصور کہیں بھی نہیں ہوتا اختلاف کا پہلو تو شروع سے پیر سائیں کی طرف سے آ رہا ہے کبھی وہ گرم مزاج ہوا کرتے تھے اب ان کی اولاد گرم مزاج ہے اور خیام شاہ کل بھی احساس کرنے والوں میں سے تھے آج بھی اسی صف میں کھڑے ہیں آ کر دیکھ لیں۔''

انداز بے حد تحمل آمیز تھا اور جو کچھ وہ کہہ رہا تھا وہ سچ ہی تو تھا خیام شاہ مکتوم کی صورت آج بھی اپنے مقام پہ قائم تھے جو کچھ ہمیشہ ہوتا کلام شاہ کی طرف سے ہوتا تھا چاہے وہ خود ہوتے چاہے شہزاد......

''لیکن مکتوم تم......''

''ایم سوری پھوپھو جو کچھ آپ سوچ رہی ہیں وہ نہیں ہو سکتا شہزاد کو ارمغان شاہ کی دلہن بننا ہے اور وہ اسی کی دلہن بنے گی۔'' اس نے آخری دفعہ بات واضح کر کے فون بند کر دیا تھا اور پھر صوفہ پہ ڈھے سا گیا تھا وہ کرائے کے فلیٹ سے اپنے بنگلے میں شفٹ ہو چکا تھا پہلے اپنا بیڈ روم اور ڈرائنگ روم سیٹ کروایا تھا پھر کچن وغیرہ سیٹ کئے تھے اور ویسے بھی آج کل اسے تھکن اتنی زیادہ ہو جاتی تھی کہ باقی گھر کو سیٹ کروانے کا موقع ہی نہیں مل رہا تھا۔

❁......❁......❁

''مبارک ہو مکتوم شاہ چاچا بن گئے ہو۔'' توقیر شاہ نے سرشاری سے اطلاع پہنچائی تھی۔

''خیر مبارک آپ کو بھی مبارک ہو آپ پاپا بن گئے ہیں۔'' مکتوم نے ذرا سا مسکرا کر موبائل ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں منتقل کیا اور چابی نکال کر رائٹ ہینڈ سے گاڑی کا لاک کھولنے لگا......

''مٹھائی لے کر جلدی پہنچو جب تک تم نہیں آؤ گے میں منہ میٹھا نہیں کروں گا۔'' توقیر شاہ نے اتنے مان سے کہا کہ وہ اتنی مصروفیت ہونے کے باوجود انکار نہیں کر سکا تھا۔

''اوکے میں آ رہا ہوں۔'' اس نے کھڑے کھڑے فیصلہ کیا اور گاڑی نکال لی موبائل ڈیش بورڈ پہ ڈال دیا لیکن اگلے پانچ منٹ بعد موبائل دوبارہ بج اٹھا تھا۔

''شہزاد کو بھی لے آنا اس وقت کسی کو لینے کے لئے بھیجیں تو رات ہو جائے گی۔'' انہوں نے وہ بوجھ اس کے کندھوں پہ ڈالا جس سے وہ ہمیشہ جان چھڑاتا اور خار کھاتا تھا اس نے اب کی بار موبائل ڈیش بورڈ پہ بری طرح پٹخا تھا وہ شہزاد کا کبھی سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن یہ لوگ ہر بار اسے ذلیل ہونے کے لئے بھیج دیتے تھے۔

''ارے شاہ صاحب اتنے دنوں بعد آئے ہیں خیریت تھی ناں؟'' وارڈن اسے دیکھ کر خوش ہوئی تھی۔

''جی خیریت تھی آپ شہزاد کو اطلاع کر دیں۔'' وہ گھڑی دیکھ رہا تھا۔

''جی ابھی کرتی ہوں۔'' وہ پلٹ گئیں اور وہ بیٹھنے کی بجائے یونہی ٹہلنے لگا چھ سات منٹ بعد وہ وہاں تشریف لے آئی۔

''السلام علیکم۔'' وہ خود ہی بول پڑا تھا۔

''میں ہمیشہ کہتی ہوں مجھے لینے کوئی اور کیوں نہیں آتا؟''

''یہ سوال آپ اپنے بھائیوں اور بابا سے کریں تو بہتر ہوگا وہ کسی اور کو لینے کیوں نہیں بھیجتے؟'' وہ روکھا سا بولا۔

''تم مجھے لے جانے سے انکار کیوں نہیں کرتے؟'' وہ غرائی تھی۔

''آپ کو لے جانے سے انکار کروں تو برا بنوں گا سب کی نظروں میں۔'' اس نے سرتاپا اسے دیکھا اور نظر جھکالی۔

''تم اچھے کہاں سے ہو؟''

''جہاں سے آپ نے نہیں جانا۔'' برجستہ جواب مل رہے تھے۔

''میرے سامنے فلسفہ مت جھاڑو......''

''آپ کو کیا پتہ محترمہ شہزاد کون دل لٹا رہا ہے اور کون فلسفہ؟)

''چلئے دیر ہو رہی ہے......'' وہ آگے بڑھ گیا تھا۔

''میں تمہارے ساتھ نہیں جا رہی۔'' پیچھے سے اس کی آواز سن کر اس کے قدم ٹھٹک گئے تھے اس نے پلٹ کر استفہامیہ نظروں سے دیکھا۔

''تم جاسکتے ہو۔'' اس نے انتہائی بے مروتی سے کہا۔

''آپ جانتی ہیں آپ کے گھر میں بھیجتا آیا ہے اور......''

''بھتیجا ہمارے گھر آیا ہے فکر مجھے ہونی چاہئے کہ مجھے جانا ہے یا نہیں تم کون ہوتے ہو سمجھانے والے اور ہاں یہ غلط فہمی بھی دل سے نکال دو کہ شہزاد تمہیں کبھی عزت بخش سکتی ہے ہونہہ۔'' وہ تلملا کر کہتی اپنی نفرت اس سمت اچھال کر چلتی بنی تھی اور مکتوم شاہ نہ جانے کتنے ہی لمحے وہاں سے ہل نہیں پایا تھا وہ تو بس شہزاد کی نفرت کے جواز ڈھونڈتا رہ جاتا تھا۔

''مکتوم شہزاد کہاں ہے؟''

وہ میرے ساتھ نہیں آئی۔'' اس نے توقیر کے سوال کا مختصر جواب دیا اور مٹھائی لے کر اس کا منہ میٹھا کروایا تھا۔

''کیوں نہیں آئی؟'' پیر سائیں کو لاڈلی کی کمی محسوس ہو رہی تھی سب ہی موجود تھے صرف وہ نہیں تھی۔

''آئی ڈونٹ نو......'' اس نے سرسری سا جواب دیا تھا پھر میراں بی بی اور ان کی گود میں دبے بچے کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

''زرینہ پتر ذرا فون دے جاؤ ہم خود پتہ کرتے ہیں کیوں نہیں آئی۔'' انہوں نے زرینہ کو کام سونپا جو نظر بچا کے مکتوم شاہ کے وجیہہ سراپے کو دیکھ رہی تھی۔

''جی پیر سائیں۔'' وہ کھڑی ہوئی اور ان کا موبائل لا کر ان کی سمت بڑھا دیا۔

''بیٹا آئی کیوں نہیں؟'' لہجے میں بے پناہ لاڈ تھا۔

''آپ کو میرے آنے نہ آنے سے کیا مطلب آپ کے لئے تو گاڑی بھجوانا مشکل ہو جاتا ہے۔''

''ارے مکتوم گیا تو تھا۔''

''ہونہہ آپ کا مکتوم...... بہر حال میں صبح صبح تیار ہو جاؤں گی ڈرائیور بھیج دیجئے گا۔'' وہ کافی غصے میں تھی موڈ آف تھا۔

اور پھر اگلی صبح ڈرائیور اسے لینے گیا تھا ہاسٹل سے لے بھی آیا تھا...... لیکن اسے حویلی لے کر نہیں آسکا...... اور حویلی میں بھونچال آ گیا، ڈرائیور ماتھے پہ بنے اتنے بڑے گومڑ اور زخم کے ساتھ تھر تھر کانپ رہا تھا جبکہ توقیر شاہ اور پیر سائیں ساکت کھڑے تھے۔

''شہزادا اغوا ہو گئی؟'' ندرت چاچی نے دو ہتھڑ مار کر سینہ پیٹا تھا اور ''شاہ حویلی'' کی شان و شوکت پہ اندھیرا چھا گیا تھا۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے؟'' ارمغان شاہ بھی ہل کے رہ گیا اور اس ساری قیامت سے بے خبر مکتوم شاہ، ظہیر شاہ کے ساتھ زمینوں کی طرف نکلا ہوا تھا جب ثوبان نے ایمرجنسی میں کال کر کے انہیں واپس حویلی بلایا تھا جہاں ڈرائیور جوان کا صدیوں سے وفادار چلا آ رہا تھا اس کی پوری نسل اس حویلی کی خدمت میں گزر گئی تھی بے تحاشا روتے اور گڑگڑاتے ہوئے صفائی دے رہا تھا۔

''کیا ہوا ہے پتر سائیں؟'' مردان خانے میں داخل ہوتے ہی اسے ماحول کی سنگینی کا احساس ہو گیا تھا۔

''شہزادو بی بی کی ایک سہیلی بھی تھی اسے اسلام آباد آنا تھا لیکن گاڑی نہیں تھی اس لئے بی بی نے اسے بھی ساتھ چلنے کا کہا اور اس کا بیگ بھی رکھوالیا وہ بھی ساتھ ہی اغوا ہو گئی شاہ سائیں میرا یقین کریں۔''

''شہزادا اغوا؟'' مکتوم کے سر پہ دھماکہ ہوا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ اس دھماکے کے زیر اثر رہتا پیر سائیں کو صوفے پہ گرتے دیکھا اور اعصاب مزید جھنجھنا اٹھے۔

''بابا سائیں۔'' توقیر فوراً لپکا لیکن تب تک مکتوم ان کو سنبھال چکا تھا وہ ہوش کھو چکے تھے اور نبض ڈوب رہی تھی......

❁......❁......❁

اور پھر چوتھے روز ان کو ایک بلینک کال موصول ہوئی رفتہ رفتہ ان کالز کا سلسلہ بڑھ گیا اور اگلے دو روز بعد ان کالز کا مقصد ظاہر ہوا تھا۔

''دو کروڑ تاوان۔'' توقیر شاہ اس ایک جملے کو سن کر پتھرا گئے تھے تو کیا یہ اغوا تاوان کے لئے ہوا تھا؟ تاوان لینے والے کون تھے؟ اس کے پیچھے کس کا ہاتھ تھا؟ کس کو پتہ تھا کہ وہ اونچی فیملی سے تعلق رکھتی ہے اور اتنا تاوان مل سکتا ہے؟ کس نے روپے کی خاطر ان کی عزت دھجیوں میں اڑا ڈالی تھی۔ اگلے چھ روز تک ایسی کوئی کال موصول نہیں ہوئی تھی جبکہ پوری حویلی اس کال کا انتظار کر رہی تھی اور تاوان دینے کے لئے تیار تھی آج شہزاد کو اغوا ہوئے ایک ہفتہ اور پانچ دن ہو چکے تھے اور پیر سائیں ابھی تک ہاسپٹل میں تھے مکتوم شاہ ارمغان اور طلال کو ساتھ لے کر شہزاد کی تلاش میں نکلا ہوا تھا۔ وہ لڑکی جو شہزاد کے ساتھ اغوا ہوئی تھی وہ اسلام آباد کی رہنے والی تھی اور شہزاد کی کلاس فیلو تھی رفتہ رفتہ معلومات اکٹھی کرتے کرتے وہ وہاں پہنچ گئے جہاں جا کر جھٹکا سا لگا تھا۔

''بیٹھیے شاہ جی۔'' وہ عورت بڑے شاہانہ انداز سے مخاطب ہوئی تھی۔

''پچھلے دنوں آپ کی کوئی شاگرد اغوا ہوئی؟''

''جی دو ہفتے پہلے کی بات ہے۔''اس عورت نے اطمینان سے کہا طلال اور ارمغان حیرت زدہ رہ گئے تھے جبکہ مکتوم بے تاثر رہا تھا۔

''آپ نے اس کی خیر خبر لی؟''

''خیر خبر لینا آسان نہیں ہے۔''

''واٹ ڈو یو مین؟''

''شاہ جی ایک عورت ہوں اپنا مکان کرائے پہ چڑھا رکھا ہے لڑکیاں کمرے استعمال کرتی ہیں تو کرایہ دیتی ہیں جب جی چاہا آ جاتی ہیں جب جی چاہا چلی جاتی ہیں۔

اپنا انسٹیٹیوٹ ہے جس کی وجہ سے اتنی مصروفیت ہوتی ہے کہ دوسروں پہ نظر رکھنے کا سوچ بھی نہیں سکتی اور نہ ہی اتنا بینک بیلنس ہے کہ اپنی کسی شاگرد کے اغوا کا تاوان بھر سکوں نہ لاکھ نہ دو لاکھ اکٹھا ایک کروڑ بھلا میں کہاں سے دے سکتی ہوں؟''

''لیکن آپ پولیس کو اطلاع تو دے سکتی ہیں نا آپ کی تو کافی جان پہچان ہوگی۔'' مکتوم ذرا سی بات میں ہی اپنا نشتر چھوڑ چکا تھا۔

''ضرور دے سکتی ہوں لیکن جو فون کالز مجھے موصول ہوئی ہیں ان میں یہی دھمکی دی گئی ہے کہ اس معاملے میں پولیس کو انوالو نہ کیا جائے ورنہ دونوں لڑکیوں کی عزت اور جان کو خطرہ ہو سکتا ہے اور پولیس کے پہنچنے تک وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔'' وہ مکتوم کی نگاہیں اور لہجہ محسوس کر کے بھی نظر انداز کر رہی تھی۔

''گویا آپ اس لڑکی کو اس مصیبت میں تنہا چھوڑ چکی ہیں۔''

''اور کر بھی کیا سکتی ہوں سوائے دعاؤں کے۔'' لہجہ مصنوعی افسردگی کا غماز تھا۔

''لیکن ہمیں آپ کی کچھ مدد چاہیے۔''

''جی کہیے؟'' وہ عورت فوراً متوجہ ہوئی۔

''اب کی بار آپ کو کال موصول ہو تو آپ کہہ دیجیے کہ ہم تاوان دینے کے لئے تیار ہیں جگہ بتا دیں رقم پہنچ جائے گی، ہم دونوں لڑکیوں کو چھڑا لیں گے چاہے تین کروڑ دینا پڑے۔'' مکتوم مطلب کی بات پہ آ گیا تھا پھر اور بھی کافی کچھ طے کیا اور وہاں سے مطمئن ہو کر باہر آیا۔

''یہ عورت ہماری کیا مدد کر سکتی ہے یہ تو چند ہزار کے لئے کسی کی بھی ہو سکتی ہے۔'' ارمغان کو گاڑی میں بیٹھتے ہی بولنے کا خیال آیا تھا۔

''ہمارے پوائنٹ کی بات تو تم نے خود ہی کہہ دی چند ہزار کے لئے جو عورت کچھ بھی کر سکتی ہے۔ لاکھ دو لاکھ کے لئے تو کسی کے اغواء میں شریک ہو سکتی ہے۔''

''یعنی؟'' طلال کو جھٹکا لگا۔

''ہاں شہرزاد کی اغواء میں اس عورت اور اس لڑکی کا بھی ہاتھ ہے اور شہرزاد انہی کے شکنجے میں ہے البتہ اس عورت کی کچھ اور لوگ بھی پشت پناہی کر رہے ہیں یہ اکیلی اتنا بڑا رسک نہیں لے سکتی تھی کیونکہ ہمارا بیک گراؤنڈ ان سے چھپا ہوا تو نہیں ہے۔''

''تو پھر ہم اسے ہی دھر لیتے ہیں دیر کرنے کا کیا فائدہ۔؟'' ارمغان کو طیش آ گیا تھا۔

''نہیں اس طرح وہ شہزاد کو نقصان پہنچا سکتے ہیں ہمیں ذرا صبر اور دھیان سے کام لینا ہوگا اور ہاں آج کے بعد اس عورت پہ مکمل پہرہ ہوگا مگر انتہائی خفیہ اس کی تمام نقل و حرکت پہ کڑی نگاہ رکھنی ہوگی اس کی تمام فون کالز ریکارڈ کرنی پڑیں گی یہی وہ مقام ہے جہاں ہمیں اپنا اثر و رسوخ آزمانا ہوگا پہلے ہی بہت دیر ہو چکی ہے......'' کہتے ہوئے اس کا لہجہ بہت دھیما ہو یا اور سوچ بھٹک کر بہت آگے چلی گئی تھی جہاں سے دنیا کا قہر شروع ہوتا تھا۔

۞......۞......۞

اور سچ مچ دنیا کا قہر شروع ہونے کا مقام بھی آ گیا تھا خاص طور پہ شہزاد کے لئے......مکتوم کے تمام شک و شبہات سچ ثابت ہوئے تھے وہ عورت ان کی آمد سے چوکنا ہو گئی تھی مگر تب تک وہ سارے انتظامات کروا چکا تھا وہ عورت فوکس ہو چکی تھی اور محض تین دن بعد پولیس ریڈ میں شہزاد کو بازیاب کروا لیا تھا جس لمحے وہ پولیس آفیسرز کی ہمراہ رات کے تین بجے تاریک سے کمرے میں داخل ہوا تو نقاہت سے نڈھال شہزاد چیخ اٹھی تھی......

''مکتوم شاہ......'' وہ تیورا کے زمین پہ گرنے والی تھی جب مکتوم نے مضبوطی سے اسے جکڑ لیا تھا پولیس آفیسرز جان چکے تھے کہ گوہر مقصود مل چکا ہے تو سر جھکا کر باہر چلے گئے کیونکہ وہ توقیر شاہ کے دوست تھے اور ایک سید زادی کی عزت کی قدر اچھی طرح جانتے تھے ان کی نظر پہلے بھی جھکی ہوئی تھی ابھی بھی جھکی ہی رہی مکتوم نے اپنی بانہوں میں جھولتی شہزاد کو بے بسی سے دیکھا جو آج دیوانہ وار اس کو دیکھ کر پیاسوں کی طرح لپکی تھی کیونکہ مکتوم کی صورت میں اسے کوئی تو اپنا نظر آیا تھا وہ اپنی چادر کندھوں سے اتار کر اس کے گرد پھیلا چکا تھا اور جب وہ اسے اٹھا کر اپنی گاڑی تک لایا تو توقیر شاہ، ارمغان شاہ طلال ثوبان اور فیروز چچا اپنی اپنی گاڑیوں سے تیر کی مانند نکلے تھے۔

''اسے لے کر ہاسپٹل جانا ہوگا توقیر لالا آپ باقی معاملات سنبھالیں۔'' وہ ایس پی ظفر اللہ کی سمت اشارہ کر کے گاڑی میں بیٹھ گیا تھا ظہیر شاہ پہلے سے گاڑی میں موجود تھے یہ معاملہ اخبارات کی زد سے بچانے کے لئے انہیں ایس پی ظفر اللہ کی ذاتی مدد لینا پڑی تھی مکتوم شاہ معاملے کو خاموشی سے سلجھانا چاہتا تھا جبکہ باقی سب لڑکے عورتوں کے اس گروہ کو گولیوں سے بھون ڈالنے کے درپے تھے اپنی عزت سے بڑھ کے کچھ بھی عزیز نہیں تھا لیکن مکتوم کو پتہ تھا کہ اگر قتل و غارت مچی تو یہ معاملہ بہت دور تک چلا جائے گا اور ہو سکتا تھا کہ ہاتھ کچھ بھی نہ آتا اس لئے پولیس کی مدد ہی بہتر تھی یوں کئی عورتیں گرفتار بھی ہوئی تھیں دو اور لڑکیاں بھی بازیاب ہو گئیں جو شہزاد کی طرح اغواء ہوئی تھیں۔

وہ بھی کافی اچھی فیملیز سے تعلق رکھتی تھیں ایک لڑکی لاہور کی رہنے والی اور ایک اسلام آباد کی رہائشی تھی وہ بھی اغواء برائے تاوان میں قید کی گئی تھیں اور ان کے گھر والوں سے بھی دو، دو تین تین کروڑ تاوان مانگا تھا۔

۞......۞

کوئی پھول چنتا ہے کس طرح کوئی دھول ہوتا ہے کس طرح

یہ وقت وقت کی بات ہے تجھے زندگی بتائے گی

''اماں.....سائیں مم میں آج بھی پپ..... پہلے جیسی ہی شہرزاد ہوں میرا دامن بالکل صاف۔'' وہ بات کرتے ہوئے ہکلانے لگی تھی حلق میں گولا سا اٹک گیا تھا اتنے دنوں کی بے سکون آنکھیں درد کی اذیت پہ چھلک پڑی تھیں گویا زندگی اس مقام پہ لے آئی تھی کہ اپنے دامن کی پاکیزگی کے لئے ''صفائیاں'' دینے کی نوبت آ گئی تھی وہ آج ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو کے گھر آئی تھی تمام مردوں کی نظر جھکی ہوئی اور تمام عورتوں کا رویہ بے گانوں سا نظر آیا تھا صرف ماں اور بی بی جان ایسی ہستی تھیں جو اسے سینے میں بھینچ کر روئی تھیں اور اس کی حالت پہ تکلیف محسوس کر رہی تھیں اس کے چہرے کی رونق تازگی اور تمکنت نہ جانے کہاں کھو گئی تھی آنکھوں کے گرد متواتر بے خوابی کی وجہ سے حلقے بن گئے تھے ہونٹ خشک اور بال اُلجھے ہوئے تھے اس کے گرد مکتوم شاہ کی براؤن رنگ کی گرم چادر لپٹی ہوئی تھی۔

''اماں سائیں.....آپ کچھ بولتی کیوں نہیں؟'' اس نے روتے ہوئے ان کو جھنجھوڑ ڈالا تھا۔

''میں کیا بولوں پرسوں پنچائیت بیٹھے گی اور تیری قسمت کا فیصلہ جرگہ کرے گا۔'' بی بی جان کی سسکیاں بھی نکل رہی تھیں اور وہ دم بخود رہ گئی تھی۔

''پنچائیت؟ لیکن کیوں اماں سائیں؟ میرا تن من آج بھی میلا نہیں ہے..... میں، میں آپ کو کیا بتاؤں..... کیا آپ کو نظر'' اس کی ہچکیاں بندھ گئی تھیں اور میراں بی بی دوپٹے میں منہ چھپاتی روتی ہوئی وہاں سے چلی گئیں۔

''بی بی جان کیا..... آپ کو بھی مم میرا اعتبار نہیں ہے کیا آپ کو بھی نہیں پتہ..... کہ میں بے داغ ہوں ان لوگوں نے صرف تاوان کی خاطر اغوا کیا تھا، آپ، آپ لوگ ان لڑکیوں سے پوچھ لیں جو میرے ساتھ..... بی بی جان اللہ کے لئے مجھے بچا لیجئے۔'' وہ تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی اور اس کو سینے میں چھپا کر وہ بھی چپ نہیں رہ سکی تھیں اور نہ جانے کیا سوچ کر انہوں نے ارمغان اور اس کے ماں باپ کو کمرے میں بلا لیا تھا۔

''تم لوگ حیران ہو گے کہ میں نے کیوں بلایا ہے۔'' وہ ارمغان اور بہروز شاہ کو دیکھ رہی تھیں۔

''دراصل میں چاہتی ہوں کہ ارمغان شہرزاد سے نکاح کر لے آج اور ابھی۔'' انہوں نے جتنی آہستگی سے کہا تھا ندرت چاچی اتنے ہی زور سے اُچھل پڑی تھیں۔

''یہ کیسے ہو سکتا ہے بھلا؟'' لہجہ بے حد تنک آمیز تھا بالکل ایسا جیسے شہرزاد مکتوم کے ساتھ رکھتی تھی اور یہ سب کچھ ندرت چاچی کے ہی مرہون منت تھا وہ شہرزاد کے دل میں اس کے لئے نفرت ڈال کر اسے مکتوم کا دشمن بنانے میں کامیاب ہو گئی تھیں اور آج تک اس کی دشمن ہی بنی رہی تھی۔

''پنچائیت سے پہلے سب کچھ ہو سکتا ہے اور ویسے بھی تو یہ تمہاری ہونے والی بہو ہے۔''

''ہونے والی بہو تھی، بی بی جان ہوئی نہیں ہے اور ویسے ارمغان ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا ابھی آپ پنچائیت کا تو انتظار کر لیں کہ وہ کیا فیصلہ کرتی ہے۔'' ندرت چاچی نے بڑی چالاکی سے ارمغان کو بچا لیا تھا۔

''تم کیا کہتے ہو؟'' بی بی جان نے سر جھکا کر بیٹھے ارمغان کو دیکھا تھا۔

''بی بی جان میں آج کل بہت ڈسٹرب ہوں کوئی بھی فیصلہ نہیں کر سکتا اور اگر شہرزاد کا نکاح ہو بھی جاتا ہے تو ممکن ہے جرگہ اسے قبیلے سے

ہی نکال دے اور میرا خیال ہے اپنے قبیلے اور علاقے سے جلاوطن ہونا کسی کے لئے بھی آسان نہیں پلیز آپ اس بات کو رہنے دیں۔'' وہ کہہ کے چلا گیا تھا اور بی بی جان خاموش ہی بیٹھی رہ گئی تھیں شہزاد کی قربانی کا دن سر پہ کھڑا تھا۔

◉......◉......◉

پھر پنچائیت بھی بیٹھی اور فیصلہ بھی سنا دیا گیا تھا جسے سن کر پیر سائیں مزید ڈھے گئے تھے اور شہزاد گم صم ہو گئی تھی۔

کاری کر دیا جائے یا پھر قرآن سے نکاح کر کے ایک کمرے میں عمر بھر کے لئے نظر بند کر دیا جائے......اور تیسرا کوئی راستہ نہیں تھا کیونکہ ایک ایسی لڑکی جو اٹھارہ دن غیر مردوں کے شکنجے میں اور گھر سے باہر رہی تھی اس کے لئے اس قبیلے میں کوئی جگہ نہیں تھی ہاں قرآن سے نکاح کرنے کے بعد اسے ایک الگ تھلگ کمرہ مل سکتا تھا جس میں رہ کر اسے ساری دنیا سے سارے اپنوں سے کٹ جانا تھا ان اپنوں سے جو اندر ہی اندر اسے کاٹ رہے تھے زرینہ کے کہنے کے مطابق اسے کاری کر دینا بہتر تھا کیونکہ اس کے خیال میں شہزاد جیسی خودسر لڑکی کے لئے ذرا سی بھی رعایت نہیں ہونی چاہیے تھی۔

جبکہ فروز شاہ اور بہروز شاہ کا خیال تھا کہ اس کا قرآن سے نکاح کر دیا جائے یوں اس کی زندگی تو بچ سکتی تھی نا لیکن ندرت چاچی اور چھوٹی چاچی کا کہنا تھا کہ ایسی ''ناپاکی'' کی پوٹلی کو گھر میں رکھنے کا کیا فائدہ نجانے وہ کب تک زندہ رہتی اور ان کی آنے والی نسل خوہ مخواہ اس کے بارے میں سوال جواب کرتی رہتی سو اسے کاری کر کے گھر کو پاک کر دینا چاہیے تھا۔

تو قیر شاہ اپنے کمرے میں قید تھے پیر سائیں الگ بت بنے بیٹھے تھے میراں بی بی رو رو کر نڈھال ہو چکی تھیں اور شہزاد تو پتھر کی مورت بن چکی تھی اسے پتہ تھا کہ جو کچھ پنچائیت نے کہہ دیا ہے وہی کچھ ہو گا لیکن اس کے باوجود پتھرائے ہوئے جامد سے دل و دماغ میں ایک موہوم سے اُمید ابھی بھی باقی تھی کہ اس کا کوئی بہت اپنا اسے ضرور بچا لے گا اس کے بابا اور بھائی یوں بے موت نہیں مرنے دیں گے وہ اپنی لاڈلی کے لئے ڈھال بن جائیں گے لیکن کوئی بھی کچھ نہیں کر سکتا تھا۔

قبیلے والوں سے پنچائیت کے فیصلے سے انحراف کرنے کی ہمت کسی میں نہیں تھی اور اس کی مثال شمشاد خان اور خیام شاہ موجود تھے وہ شمشاد خان جو اپنی جان سے عزیز بیٹی دشمنوں کو سونپنے سے انکاری ہو گیا تھا جو پنچائیت کے ہر فیصلے کو مسترد کرتے ہوئے اپنی بیٹی کی خاطر اپنی جان ہار گیا تھا اور دوسری طرف خیام شاہ تھا جو کلام شاہ کو بے رحم فیصلے سے باز رکھنے کے لئے کتنے دن ان کو سمجھاتا رہا تھا مگر وہ نہیں سمجھے تھے اور الٹا خیام شاہ کی زندگی ہار گئے تھے آج جب اپنی بیٹی پہ وہ بے رحم لحہ آیا تھا تو وہ کیسے ڈھال بن سکتے تھے۔ کیونکہ ان اصولوں کی پرورش انہوں نے خود ہی تو کی تھی خود ہی تو پروان چڑھایا تھا ان فرسودہ فیصلوں سے اب وہ اپنی بیٹی کیونکر بچا سکتے تھے انہیں اپنے ہاتھوں سے اپنے زخموں پہ نمک پاشی کرنا تھی لیکن نہ جانے کیوں سب اپنوں کا رویہ اتنا بیگانہ اور بے رحم دیکھ کر وہ خاموش سے ہو گئے تھے خاص طور پہ ارمغان کی طرف سے دکھ ہوا تھا۔

◉......◉......◉

''کہاں چلے گئے ہو ہمیں چھوڑ کے دیکھو میری شہزاد پہ کیا بیت رہی ہے؟'' مکتوم نے فون کیا تو میراں بی بی اس کی آواز سنتے ہی رو پڑی

تھیں اور وہ چند ثانیے کچھ بول ہی نہیں پایا پھر گہری سانس کھینچی اور انہیں دلاسہ دینا چاہا۔

''تائی ماں یہ سب گڑھے ہم نے خود ہی تو کھودے ہیں اب ہمیں رونے دھونے اور واویلا کرنے سے کیا حاصل؟ پلیز آپ اپنے آپ کو سنبھالیں اور شہزاد کو بھی سمجھائیں شاید کوئی حل نکل آئے۔''

''کیا حل نکلے گا اب کیا حل باقی ہے کل...... کل اس کا نکاح ہو رہا ہے۔'' میراں بی بی شدت غم سے پھٹ پڑی تھیں اور مکتوم شاہ چونک گیا تھا۔

''بتاؤ مجھے کیا حل نکلے گا؟'' وہ رو رہی تھیں اور اس نے کچھ بھی کہے بنا فون رکھ دیا وہ اس روز شہزاد کو ہاسپٹل سے حویلی چھوڑ کر لاہور چلا آیا تھا اس نے نیا نیا بزنس شروع کیا تھا اس لئے کام کو توجہ اور وقت چاہئے تھا اب اس کے پیچھے کیا کیا ہو رہا ہے اسے اندازہ تو تھا لیکن مکمل یقین نہیں تھا کہ یہ کچھ بھی ہو رہا ہے اور پیر سائیں پنچائیت کا فیصلہ مان چکے ہیں۔ موبائل آف کر کے وہ اپنے آفس روم سے نکل آیا۔

❁......❁......❁

''تائی ماں......'' میراں بی بی سجدے میں گری دعا مانگ رہی تھیں جب بھاری قدموں کی چاپ اور گھمبیر آواز ابھری تھی شہزاد میراں بی بی کے بیڈ پہ گھٹنوں میں منہ چھپائے بیٹھی تھی مکتوم کی آواز پہ ہلکی سی جنبش ہوئی پھر بھی چہرہ اونچا نہیں کیا تھا البتہ میراں بی بی لپک کے اس کے قریب آئیں اور اس کے سینے سے لگ کے یوں روئیں جیسا اپنا بیٹا ابھی نظر آیا ہو......

''تائی ماں بس کریں کچھ نہیں ہوگا سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' اس نے تائی ماں کو بازو کے گھیرے میں لے کر تسلی دی اور شہزاد نے اس کی بے معنی بے کار سی تسلی پہ یکدم سر اٹھا کے انتہائی شکستگی سے دیکھا تھا۔

نیچے مردان خانے میں سب مرد حضرات جمع ہو چکے تھے قاضی صاحب کو لینے کے لئے گاڑی جا چکی تھی تھوڑی دیر بعد اس کی موت کا بلاوا آنے والا تھا اور وہ کہہ رہا تھا کہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا وہ دوبارہ گھٹنوں میں منہ چھپا کے بیٹھ گئی تھی اور سچ مچ پندرہ بیس منٹ بعد اس کو بلانے کے لئے ملازمہ آگئی تھی مکتوم شاہ بی بی جان سے ملنے گیا ہوا تھا اور شہزاد اپنوں کی اپنائیت اور ہمت کی امید کا دامن چھوڑتی ہارے ہوئے قدموں سے باہر نکل آئی اسے آج بھی احساس نہیں ہوا تھا کہ وہ اتنے دنوں سے مکتوم شاہ کی گرم چادر ہی استعمال کرتی آرہی ہے اسی چادر کو لپیٹ کر وہ باہر نکل گئی تھی آج کے بعد اسے کسی سے نہیں ملنا تھا اس کے آنسو خود بخود خشک ہو چکے تھے وہ سرد و سپاٹ ہو چکی تھی میراں بی بی اسے جاتے دیکھ کر ساکت بیٹھی رہ گئیں۔

❁......❁......❁

سیڑھیاں اتر کر راہداری میں داخل ہوتے ہی اس کا سامنا مکتوم شاہ سے ہوا تھا بی بی جان کے کمرے کی طرف سے آرہا تھا اور اسے بھی وہیں جانا تھا جہاں شہزاد جا رہی تھی وہ اک پل کے لئے اس کے قریب آکر ٹھہر گیا تھا اور پھر سر جھکا کر آگے بڑھ گیا اور نہ جانے کیوں شہزاد کو اس کا یوں پل بھر کا ٹھہرنا اور سر جھکا کر چلے جانا بے چین کر گیا تھا اس کی رگ و پے میں رنج کی لہر دوڑ گئی وہ اسے کچھ کہنا چاہتی تھی اسے روکنا چاہتی تھی لیکن وہ راہداری عبور کر گیا شہزاد کو ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بھی کچھ کہنا چاہ رہا تھا پھر ارادہ بدل گیا اور چلا گیا تھا۔ وہ پہلی بار مکتوم سے بات کرنے کی خواہش محسوس کر رہی تھی مگر وقت نہیں تھا حالات نہیں تھے وہ مردہ قدموں سے اپنے لئے تیار شدہ ''کمین گاہ'' میں داخل ہو گئی تھی اس کے ہمراہ ایک ملازمہ بھی

تھی اور وہاں حویلی کے سب افراد موجود تھے سوائے عورتوں کے ''نکاح شروع کیجئے'' بڑے چچا (بہروز شاہ) نے پہل کی تھی۔

''پیر سائیں اجازت ہے؟'' قاضی صاحب نے پیر سائیں سے اجازت طلب کی وہ کچھ نہ بولے تھے۔

''لالہ سائیں دیر ہو جائے گی باہر موسم بہت خراب ہے قاضی صاحب کو گھر بھی چھوڑنا ہے۔'' فیروز شاہ بھی بول پڑے تھے لیکن پیر سائیں کیسے اتنی جلدی اپنا کلیجہ نوچ کر زنداں میں پھینک دیتے کچھ ہمت تو مجتمع کرنی تھی۔

''چچا سائیں شہزاد کی شادی کسی اور سے نہیں ہو سکتی؟ کیا کوئی اور راستہ نہیں ہے؟'' عمیر شاہ بہن کے لئے روہانسا ہو رہا تھا۔

''جو لڑکی اتنے دن اور اتنی راتیں گھر سے باہر رہے وہ کسی سید زادے کی زوجیت میں نہیں جا سکتی اور ویسے بھی کون پنچائیت کے فیصلے کو ٹھکرا سکتا ہے اور اس سے شادی کر سکتا ہے یہ لڑکی ہمارے خاندان سے باہر ہو چکی ہے۔

ایسے حالات میں کوئی اپنا قبول نہیں کرتا غیر تو پھر غیر ہوتے ہیں آخر عزت بے عزتی کا معاملہ ہے۔'' بہروز شاہ کا لہجہ کھردرا تھا عمیر شاہ نے ارمغان کو دیکھا وہ نظر پھیر گیا تھا۔

''میں کروں گا اس سے شادی۔'' مکتوم شاہ کی آواز اتنی بہت سی آوازوں کو یکدم ساکت کر گئی تھی سب نے حیرانی سے اس کی سمت دیکھا تھا لیکن وہ اسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی اسے اپنی سماعتوں پہ یقین نہیں آیا تھا کہ اتنے چاہنے والوں میں سے کوئی بھی آگے نہیں بڑھا سوائے مکتوم شاہ کے اس مکتوم شاہ کے جس کا بقول شہزاد کے اپنا کوئی نام ونشان اپنی عزت نہ تھی وہ غیرت کا پلو باندھنے کو تیار کھڑا تھا۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟ تم بھی تو شاہوں میں سے ہو تم بھی تو اسی خون اسی نسل کا حصہ ہو تمہاری شادی اس سے کیسے ہو سکتی ہے۔'' مکتوم شاہ کے فیصلے پہ سب سے پہلے چچا فیروز شاہ کو اختلاف ہوا تھا۔

''میں شاہوں میں سے ہوں یا نہیں یا میں نہیں جانتا البتہ انسانوں میں سے ضرور ہوں اور اس بات کا پکا یقین ہے اس لئے انسانیت کے خلاف میں کوئی بھی کام نہیں ہونے دوں گا...... پیر سائیں اجازت دیجئے قاضی صاحب نکاح شروع کریں۔'' وہ آگے بڑھ کے صوفے پہ بیٹھ گیا اور بڑی سی چادر میں لپٹی وہ دھواں دھواں ہو گئی تھی اس کا وجود پہلے خاک کا ڈھیر بنا ہوا تھا اب اس کی ذات بھی دھجیوں میں بکھر گئی تھی اس کے غرور کے پرخچے اُڑ گئے تھے اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ شخص اس پہ کرم کرے گا جس پہ ہمیشہ وہ ستم کرتی آئی تھی اس کے باوجود مکتوم شاہ اس بھری محفل میں اس کے سامنے دیوار کی مانند ڈٹ گیا تھا۔

''اس کا نکاح قرآن سے ہو گا تم مداخلت مت کرو۔'' اب کی بار بڑے چچا نے لب کشائی کی تھی۔

''اس کا نکاح مجھ سے ہو گا یہ میرا آخری فیصلہ ہے اور اس فیصلے سے آپ لوگوں میں سے کوئی بھی مجھے پیچھے نہیں ہٹا سکتا۔'' مکتوم کا لہجہ بے لچک تھا وہ اپنے مقام پہ اپنے فیصلے پہ ڈٹ چکا تھا اور پیر سائیں بے جان سے بیٹھے اپنی رسوا عزت اور زندہ بیٹی کی لاش پہ کھڑے رشتہ داروں کو دیکھ رہے تھے جن کو کسی کا احساس نہیں تھا بس وہ تو مٹھیاں بھر بھر مٹی ڈالنے کو تیار تھے اب اس مٹی تلے ان کی عزت دب جاتی یا لاڈلی بیٹی ان لوگوں کو بھلا کیا فرق پڑتا تھا اور لوگوں کی اس بے حسی اور اپنی اس بے بسی پہ وہ چپ بیٹھے تھے بالکل چپ یوں جیسے یہاں ان کی نہیں کسی اور کی بیٹی کی زندگی کا فیصلہ ہو رہا ہے۔

''تم جانتے ہو یہ فیصلہ پنچائیت نے کیا ہے یا اس لڑکی کو کاری کر دیا جائے گا پھر قرآن سے نکاح کر دیا جائے گا اور نکاح کے بعد یہ صرف ایک کمرے میں رہے گی جہاں سے کبھی نکلنے کا سوچنا بھی اس پہ حرام ہوگا۔'' چچا فیروز شاہ نے اس کو پنچائیت کے اس فیصلے سے آگاہ کیا جس سے وہ پہلے ہی باخبر تھا۔

''تو پھر آپ اسے کاری کر دیجئے۔'' وہ انتہائی سکون سے بولا تھا سب نے چونک کر دیکھا۔

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں کیونکہ آپ کے خیال میں اسے کاری نہ کر کے آپ اس کے ساتھ رعایت کر رہے ہیں اور اس کا نکاح قرآن سے کر کے اسے زندگی بخش رہے ہیں لیکن میرا خیال ہے کہ دونوں صورتوں میں آپ اپنے ہاتھوں سے اس کی زندگی ختم کر رہے ہیں قرآن سے نکاح کرنے اور ایک کمرے میں قید کر دینے کے بعد بھی آپ سمجھتے ہیں کہ آپ کا فیصلہ درست ہے آپ اس سے ساتھ نرمی برت رہے ہیں؟ ہونہہ چچا سائیں اس کمرے کی قید سے بہتر قبر اور اس نکاح سے بہتر موت ہوگی اس کے لئے جو زندگی آپ بخش رہے ہیں وہ زندگی نہیں عذاب زندگی ہے آپ اس لاش کو قبر میں دفن کر دیں۔''

وہ یکدم غصے سے بھر گیا تھا وہ بچپن سے اس خاندان اور اس علاقے کے قبیلوں کے عجیب عجیب اور سنگدلانہ اصول دیکھتا آرہا تھا لیکن آج تک بس نہیں چل سکا تھا کہ کسی کو بے رحم رسم رواج سے روک لیتا لیکن آج جب موقع مل ہی گیا تھا تو چپ نہیں رہ سکا تھا اور نہ ہی پیچھے ہٹنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

''یہ باتیں ہم بھی جانتے ہیں یہ ہماری بیٹی ہے دشمن نہیں ہے مگر بات اصولوں کی ہے فیصلہ پنچائیت نے کیا ہے اس کا نکاح قرآن سے ہوگا......''

''اور اگر میں آپ کی پنچائیت کے فیصلے کو نہ مانوں تو؟'' مکتوم شاہ سب سے ٹکر لینے پہ تلا ہوا تھا۔

''تو تمہیں یہ گھر یہ گاؤں یہ قبیلہ ہمیشہ کے لئے چھوڑنا ہوگا ہمارے فیصلوں سے اور اصولوں سے بغاوت کر کے تم یہاں نہیں رہ سکتے اور نہ ہی اس لڑکی سے شادی کر کے تمہیں یہاں رہنے دیا جائے گا۔ یہ ہمارا ہی نہیں پنچائیت کا بھی فیصلہ ہوگا۔''

''میرے خلاف آپ کا اور پنچائیت کا جو بھی فیصلہ ہوا مجھے قبول ہوگا۔'' اس نے بے حد سرد آواز سے کہا اور وہاں موجود تمام افراد کو سانپ سونگھ گیا انہیں مکتوم شاہ سے اس انتہائی اقدام کی امید ہرگز نہیں تھی وہ تو سمجھ رہے تھے کہ اتنے سنگین فیصلے کو سن کر وہ اپنے ارادے سے باز آجائے گا لیکن اس کے برعکس وہ اپنے ارادوں پہ قائم تھا۔

''اگر آپ نے اس نکاح میں رضامندی نہ دی تب بھی میں یہ نکاح ضرور کروں گا آپ کے اصولوں کو میں کسی کی زندگی سے نہیں کھیلنے دوں گا۔'' اس کے انداز میں رتی برابر فرق نہیں آیا تھا۔

''سوچ لو مکتوم شاہ سب رشتوں سے کٹ جاؤ گے۔'' بڑے چچا نے اسے سمجھانا چاہا تھا۔

''چچا سائیں یہ بھی تو رشتوں سے کٹ جائے گی۔''

''آپ کو میرا خیال ہے اس کا کیوں نہیں؟ کیا میں مرد ہوں اس لئے؟ نہیں چچا سائیں یہ سب میرے ہوتے ہوئے نہیں ہوسکتا، پیر سائیں! آپ کیوں چپ ہیں کچھ بولتے کیوں نہیں اگر یہ آپ سب کی نظروں میں قصوروار ہے تو اسے قتل کر دیجئے کاری کر ڈالئے لیکن یوں قرآن

سے نکاح کرنا کس حدیث میں لکھا ہے؟ یہ لیجئے قرآن پاک پڑھیے اگر اس میں کسی عورت کا نکاح قرآن سے طے پانا لکھا ہے تو میں آپ کو نہیں روکوں گا کر دیجئے گا نکاح......لیکن اس سے پہلے مجھے اس فرسودہ اور ظالمانہ فیصلے کا کوئی ٹھوس وجواز اور ثبوت دیجئے یہ قاضی صاحب بیٹھے ہیں یہ مجھے اس بات کے لئے قائل کرلیں تو میں پیچھے ہٹ جاؤں گا بتایئے قاضی صاحب اسلام میں یہ سب جائز ہے اگر ہے تو کون سی حدیث میں لکھا ہے؟ بتایئے مجھے......؟'' وہ بولنے پہ آیا تو ایک ہی وقت میں سوالات کی بوچھاڑ کرتا چلا گیا تھا۔

معاملہ خاصا گرم ہوگیا تھا مکتوم شاہ ان سب کے لئے پریشانی بن گیا تھا وہ کسی بھی فیصلے کسی بھی بات اور کسی بھی حکم کو ماننے کے لئے تیار نہیں تھا یوں بات خاصی پھیل گئی تھی حویلی کے زنان خانے میں بیٹھی عورتوں کو پتہ چلا تو حیران رہ گئی تھیں زندگی میں پہلی بار تو کوئی قبیلے سے بغاوت کر رہا تھا اور بی بی جان کے ساتھ میراں بی بی بھی دھک سے رہ گئی تھیں کیونکہ یہ سب سے قطع تعلق کرنے کا فیصلہ تھا اور دوسری طرف زرینہ تھی جس کو یہ خبر سنتے ہی آگ لگ گئی تھی وہ پہلے ہی شہزاد سے نفرت کرتی تھی اب مکتوم شاہ کو اس کے حق میں دیکھ کر کیسے برداشت کر لیتی اور ویسے بھی اب مکتوم پہ اس کا حق تھا۔ اور اسی حق کی خاطر بہروز شاہ اور ارمغان شاہ بول پڑے تھے انہوں نے قاضی صاحب کو روک دیا تھا۔

''تم زرینہ سے منسوب ہو اس لئے تم اسے نہیں چھوڑ سکتے۔'' ان کی بات پہ مکتوم نے پلٹ کر کاٹ دار نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

''جس حد تک میں زرینہ سے منسوب تھا اس حد تک تم بھی تو شہزاد سے منسوب ہو ہی چکے تھے اور جب تم اپنی منگ چھوڑ سکتے ہو تو میں کیوں نہیں؟'' اس کے تمام دلائل ٹھوس تھے دوسری بات کہنے کا کسی میں حوصلہ نہیں تھا آج وہ پہلے والے مکتوم شاہ سے یکسر مختلف مکتوم شاہ نظر آیا تھا اس نے آج تک اس حویلی میں کسی بھی معاملے میں مداخلت نہیں کی تھی لیکن آج جب یہ کر ہی بیٹھا تھا تو ہارنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا ندرت چاچی اور زرینہ نے کافی واویلا کیا تھا لیکن جو ہونا تھا اسے کون ٹال سکتا تھا اس نے سب کے سامنے بے خوفی سے اپنی ثابت قدمی دکھائی اور شہزاد کو اپنی عزت بنالیا تھا اور پھر پانچ منٹ بعد اس کا ہاتھ پکڑ کر نکل گیا تھا شہزاد کسی روبوٹ کی طرح اس کے ساتھ کھنچی چلی گئی تھی۔

''تائی ماں میرے لئے دعا کیجئے گا۔'' وہ شہزاد کے ساتھ ان کے سامنے آکھڑا ہوا تھا اور میراں بی بی نے محبت سے اس کا ماتھا چوم لیا تھا جہاں بیٹی کی زندگی بچ جانے کی خوشی تھی وہاں مکتوم کا سب کے درمیان سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو جانا غم سے دوچار کر رہا تھا۔

بی بی جان کو کبھی بیٹے پہ (خیام شاہ پہ) فخر ہوتا تھا آج اس مردانہ فیصلے پہ پوتے پہ فخر ہوا تھا اس نے ثابت کر دیا تھا کہ وہ خیام شاہ کی بہادر اور نڈر اولاد ہے جو کسی بھی طوفان سے ٹکر لینے کی ہمت اور طاقت رکھتا ہے۔

''ہمیں اجازت دیجئے بہت دور جانا ہے۔'' وہ ان کے سامنے جھکا تھا میراں بی بی اور بی بی جان سے دعا لی تھی پھر وہ شہزاد کی طرف متوجہ ہوئی تھی اور جو امانتیں مکتوم کی ماں دے کر گئی تھیں وہ مکتوم اور شہزاد کے حوالے کر دیں اور اپنی کلائی کے کنگن اتار کر شہزاد کو پہنا دیے تھے وہ بہت خوش تھیں مکتوم نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ سب ٹھیک ہو جائے گا شہزاد کو کچھ بھی نہیں ہوگا سو اس نے وعدہ پورا کر دکھایا تھا۔ عمیر شاہ تو قیر شاہ سب سے چھپ کے ان کو گاڑی تک چھوڑنے آئے تھے نکاح نامے پہ سائن کرنے کے پندرہ منٹ بعد وہ اسے اپنے ساتھ لے کر حویلی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نکل آیا تھا۔

❁......❁......❁

شب بھر بارش برسی تھی شب بھر تکیہ بھیگا تھا اور وہ شب بھر سکون سے سویا تھا اسے نہیں پتہ تھا کہ کمرے کے باہر اور کمرے کے اندر کیسے کیسے برسے ہیں اسے تو صرف یہ خبر تھی کہ وہ تھکا ہوا تھا اور یقیناً شہزاد بھی اس تھکن کی لپیٹ میں سوئی رہی تھی اسی لئے اس کا دھیان کئے بغیر وہ اٹھا باتھ روم سے شاور لے کر نکلا اور تیار ہو کر باہر چلا گیا تھا۔

''تم اپنی بیوی بچے کو لانا چاہتے تھے نا؟'' اس نے ناشتے کے دوران ملازم سے کہا تھا۔

''جب صاحب۔''

''آج ہی لے آؤ پہلے ضرورت نہیں تھی میں گھر سے باہر ہوتا تھا مگر اب گھر کا کام زیادہ ہوا کرے گا اس لئے کسی عورت کی ضرورت ہوگی۔''

''ضرور صاحب جی......'' وہ خوش ہو گیا تھا ایک تو بیوی بچے پاس رہتے دوسرے تنخواہ بھی ڈبل ہو جاتی اسے بھلا کیا چاہیے تھا، ناشتہ کرنے کے بعد وہ آفس کے لیے نکل گیا البتہ جاتے جاتے ملازم کو ہدایت کر گیا تھا کہ بی بی سو رہی ہیں اٹھیں گی تو ناشتہ بنا لیں گی تم بیوی بچے کو لینے کے لئے جا سکتے ہو اور وہ بخوشی چلا گیا تھا۔ آفس آکر بھی وہ اپنا دھیان کام میں نہیں لگا سکا تھا۔ اس کی سوچ اس کے خیال پلٹ پلٹ کر حویلی والوں کی طرف جا رہے تھے جو یقیناً اپنوں کے بھی اپنے نہیں تھے۔ وہ اک اک فرد کا رویہ سوچ رہا تھا کل اس نے سب چہروں سے نقاب اترتے دیکھے تھے وہ تو آج تک یہی سمجھتا آ رہا تھا کہ صرف میرے ساتھ ہی ایسا ہوتا ہے مگر وہ تو اپنا ہی گوشت کھانے اور خون پینے والوں میں سے تھے جن کو اپنے جسم کے کسی حصے کے کٹ جانے کی بھی تکلیف نہیں ہوتی تھی شاید اصول پرستی کے چکر میں بے حس ہو گئے تھے اور اپنے آپ کو مضبوط ظاہر کرنے کی کوششوں میں اندر سے کھوکھلے پڑ گئے تھے لیکن ابھی تک اس کھوکھلے پن کو چھپانے کی سعی کر رہے تھے۔

وہ جان چکا تھا حویلی کے در و دیوار بہت اونچے تھے مگر اس میں رہنے والے لوگ اک دوسرے کے احساس اور محبت سے عاری ہو کر چھوٹے پڑ گئے ہیں۔

''کسی گہری سوچ میں ہو کیا ہوا خیریت تو ہے؟'' وحید کاظمی کافی دیر سے گلاس ونڈو سے اس کو یوں گم صم دیکھ رہے تھے دروازے پہ دستک بھی دی مگر وہ متوجہ ہی کب تھا مجبوراً وہ بغیر اجازت چلے آتے تھے۔

''نن نہیں آیئے بیٹھئے۔'' وہ کھڑا ہو گیا تھا۔

''پرسوں تم شام کو ایمرجنسی میں گئے تھے خیریت تھی ناں؟'' وحید کاظمی جانتے تھے کہ قبیلے والے لوگوں کو کوئی نہ کوئی مصیبت پڑی ہی رہتی ہے اسی لئے پوچھ لیا تھا اور خاموش ہو گیا تھا انہیں کیا بتاتا کہ کیا کر کے آیا ہے۔

''یار تم مجھے بھی پریشان کر رہے ہو بولو کیا مسئلہ ہے؟''

وحید کاظمی اس سے کافی بے تکلف تھے وہ بھی ان کی فرینڈلی اور زندہ دل طبیعت سے کافی خوش ہوتا تھا ایک سال ہونے کو آیا تھا ان کے ساتھ کام کرتے ہوئے اب تو وہ ان کی فیملی سے بھی کافی گھل مل گیا تھا ان کے اصرار پہ اس نے سب کچھ بتا دیا تھا اب چھپانے کا بھلا کیا فائدہ تھا......

''ارے...... یہ تو بہت اچھا اور بہادرانہ فیصلہ ہے شاباش دل خوش کر دیا ہے، ہم بھی بہو کی کمی محسوس کر رہے تھے......'' انہوں نے اسے

گلے لگایا تھا انہوں نے اس کے فیصلے کو سراہا تھا۔

''ارے میرے بچے اداس کیوں ہوتے ہو میں ہوں ناں تمہارا انکل تمہارا دوست جب میں تمہارے باپ کے لئے اپنا فلیٹ سجا سکتا ہوں تو تمہارے لئے تمہارا ہی گھر سجانا کون سا مشکل ہے تمہارے باپ کا نکاح کروایا تھا اب تمہارا...... ولیمہ کروا دیتا ہوں یہی سمجھوں گا کہ اتنے سالوں بعد ولیمے کی فرصت ملی ہے آنے دو امینہ اور روبینہ کو۔'' انہوں نے اپنی بیٹیوں کا ذکر کیا جو اپنی ماں کے علاج کے سلسلے میں دو ہفتے پہلے امریکہ گئی تھیں۔

''نہیں انکل......''

''تم اپنی نہیں اپنے پاس رکھو تمہارا خرچہ ہرگز نہیں کروائیں گے۔'' وہ ڈانٹ چکے تھے اور وہ رخ پھیر گیا۔

شام ڈھلے وہ گھر میں داخل ہوا تھا اس کا ملازم زلفی اپنے بیوی بچے کو لے آیا تھا وہ سیڑھیاں چڑھتا اوپر آیا اور دروازے پہ دستک دے کر اندر داخل ہوا تھا ورنہ اپنے ہی بیڈروم میں دستک دے کر آنا عجیب بھی لگ رہا تھا۔ مگر پہلی نظر بیڈ پہ پڑتے ہی ٹھٹک گیا وہ جس حال، حلئے میں اسے صبح چھوڑ کر گیا تھا وہ اسی پوزیشن میں تھی۔ بریف کیس ٹیبل پہ ڈال کر وہ تیزی سے قریب آیا تھا۔

''شہزاد'' اس نے قریب جھک کر اسے پکارا تھا لیکن اس پہ اثر نہیں ہوا تھا..... اس نے جیسے ہی اس کی کلائی پکڑی ہاتھ کو آگ چھو گئی وہ بری طرح بخار میں جھلس رہی تھی۔

''اوہ نو! تو یہ صبح سے بخار میں پڑی ہے اور دن بھر اکیلی......'' مکتوم کو اپنی صبح والی عجلت اور غفلت یاد آتے ہی ندامت ہوئی۔ وہ کپڑے چینج کیے بنا ڈاکٹر کو بلا لیا اور پھر رات بھر اس کے سرہانے بیٹھنا پڑا تھا کل کی رات اس نے آنکھوں میں کاٹی تھی آج کی رات وہ کرسی سنبھال چکا تھا۔

وہ کافی کمزور ہو چکی تھی اور متواتر اتنے دنوں سے ذہنی ٹینشن کا شکار تھی اسی لئے اتنے شدید بخار میں اعصاب جواب دے گئے تھے ڈاکٹر نے کافی انجکشن اور ڈرپ بھی لگائی تھی صبح تک اس کی نقاہت میں کافی افاقہ ہوا تھا وہ حواسوں میں لوٹ آئی تھی دوپہر کے بارہ بج رہے تھے لیکن آج وہ گھر پہ ہی تھا اسے حرکت کرتے دیکھ کر قریب آ گیا۔

''اب کیسی طبیعت ہے؟'' شہزاد نے اپنے اعصاب کنٹرول کرتے ہوئے قریب جھکے مکتوم شاہ کو دیکھا تھا جو محض فارمیلٹی نبھانے کے لئے فکر مند نظر آ رہا تھا اس کو چپ دیکھ کر پیچھے ہٹ گیا پھر دن بھر خاموشی ہی چھائی رہی لیکن شام کو وحید کاظمی کی فیملی اچانک آ گئی تب تو وہ قدرے بہتر ہو چکی تھی لیکن بخار اور کمزوری کے آثار ابھی بھی باقی تھے۔

''واہ بھئی آپ کی دلہن تو ایسی حالت میں بھی ہوش اڑا رہی ہے۔'' رومینہ نے برملا اظہار کیا تھا شہزاد نے ان کے ساتھ نیچے ڈرائنگ روم میں جانا چاہا مگر ان لوگوں نے روک دیا کہ باہر کافی سردی ہے اور وہ بیمار ہے اس لئے اس کے لئے بستر میں رہنا ہی ٹھیک تھا مکتوم البتہ وحید انکل کے پاس چلا گیا تھا۔

''آپ بیٹھیں ناں آنٹی۔'' مسز کاظمی کو بھی اٹھتے دیکھ کر بے ساختہ شہزاد کو بولنا پڑا۔

''نہیں بیٹا تم لوگ بیٹھو ہم بوڑھے لوگ مس فٹ لگتے ہیں انجوائے کرنے کے دن تم لوگوں کے ہیں۔'' مسز کاظمی پیار سے شہزاد کا گال تھپک کر مسکراتی ہوئی چلی گئیں وہ دل کی مریضہ تھیں کچھ عرصہ پہلے ان کا بائی پاس ہوا تھا اور ابھی بھی وہ مکمل ٹھیک نہیں ہوئی تھیں پھر بھی ان کے چہرے پہ بشاشت اور سکون کا پہرہ تھا وہ بہت گریس فل تھیں شہزاد کو اپنی ماں کا خیال آ گیا اور آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

''بھابی آپ کو آتے ہی بیمار نہیں ہونا چاہئے تھا بھائی تو بور ہو گئے ہوں گے؟'' امینہ نے معصومیت سے کہا تھا اور وہ لفظ بھابی پہ چونک گئی اک نیا رشتہ ایک نیا تعلق ایک نیا نام مل رہا تھا لیکن کس کے حوالے سے مکتوم شاہ کے ساتھ ایسا بندھن بندھ جائے گا اس نے کبھی بھی نہیں سوچا تھا۔

''بھابی لگتا ہے آپ کو ابھی بھی آرام کی ضرورت ہے ہم نے آپ کو ڈسٹرب کر دیا ہے۔'' اسے سوچوں میں گم دیکھ کر رومینہ اور امینہ کو مایوسی ہوئی تھی اور شہزاد چونک گئی تھی۔

''نہیں نہیں بس میرا دھیان کہیں اور چلا گیا تھا تم لوگ بیٹھو اتنے دنوں بعد فریش چہرے دیکھ کر اچھا لگ رہا ہے۔'' اس نے روبینہ کا ہاتھ پکڑ لیا تھا اور پھر ان دونوں بہنوں کی وہ باتیں اور شرارتیں شروع ہوئیں کہ شہرزاد اتنے غم اور طبیعت خراب ہونے کے باوجود مسکرانے پہ مجبور ہو گئی تھی وہ دو گھنٹے متواتر انہوں نے شہرزاد کو بھرپور کمپنی دی تھی بالآخر مکتوم ہی انکل کے کہنے پہ انہیں بلانے آیا تھا۔

''بھابی ہم تو اپنے نیگ ولیمے کے روز ہی لیں گے لیکن یہ تو بتائیں کہ آپ نے بھائی سے کیا لیا ہے؟'' امینہ شرارت سے بولی تھی شہرزاد نے چہرہ جھکا لیا اس نے اسے اپنی عزت اپنی غیرت اپنا نام اور اعتماد سونپ دیا تھا اس کے علاوہ بھلا کس چیز کی ضرورت رہ جاتی تھی۔

''بھائی بھابی کو شاپنگ کب کروا رہے ہیں؟'' جاتے جاتے انہوں نے مکتوم کو اس بات کا خیال دلا دیا جو شاید اسے خود سے کبھی یاد نہ آتا کیونکہ یہ سچ تھا کہ شہرزاد گھر سے کچھ بھی لے کر نہیں آئی تھی لیکن اس بات کا اسے دھیان ہی نہیں تھا وہ دو تین روز سے انہی کپڑوں میں نظر آ رہی تھی اور اگلے دن اس نے سب سے پہلا کام یہی کیا تھا شہرزاد کو چلنے کا کہا مگر وہ انکار کر گئی۔ اس میں اتنی سکت نہ تھی کہ مارکیٹ جا کر اپنے لئے کچھ پسند کر لیتی سو مجبوراً مکتوم شاہ کو یہ مشکل ترین کام انجام دینا پڑا۔

تمام شاپنگ بیگ سمیت وہ سیدھا بیڈ روم میں آیا تھا وہ تولیے سے چہرہ پونچھتی باتھ روم سے نکل رہی تھی۔

''ان چیزوں میں سے یقیناً بہت سی چیزیں کم ہوں گی لیکن جو کچھ میرے دھیان میں آیا وہ سب لے آیا ہوں کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو بتا دینا لے آؤں گا۔''

وہ سب کچھ بیڈ پہ ڈھیر کر کے چلا گیا تھا اور شہرزاد یونہی چیزیں دیکھنے لگی تین چار نفیس سے قیمتی ڈریس، سینڈل، چپل، تولیے، برش بلکہ ضرورت کی تمام اشیاء موجود تھیں اور شہرزاد کا چہرہ سرخ اور نظر جھک گئی تھی۔ جسے ہر چیز کا پتہ ہو اسے بتانے کا کیا فائدہ؟ وہ خفت سے سوچتی سب کچھ اٹھا کر الماری میں رکھنے لگی اور اتنے میں ٹیبل پہ رکھا مکتوم شاہ کا موبائل بج اٹھا وہ موبائل اٹھا کر مکتوم کو دینے کا ارادہ رکھتی تھی مگر مومنہ پھوپھو کا نمبر دیکھ کر صبر نہ ہوا اور کال ریسیو کر لی تھی۔

''ہیلو پھوپھو!'' اس کا لہجہ اک پل میں بھیگا تھا۔

''شہرزاد کیسی ہو بیٹا؟'' مومنہ پھوپھو کو تمام حالات کا علم ہو چکا تھا۔

''میں...... میں بالکل ٹھیک۔'' حلق میں آنسو اترنے لگے تھے۔

''ارے نہیں میری جان روتے نہیں ہیں بہادر بنو اللہ تعالیٰ نے بہت کرم کیا ہے عزت بھی بچ گئی اور زندگی بھی انشاء اللہ آئندہ بھی بہتر کرے گا۔'' انہوں نے تسلی دی تھی۔

''پھوپھو سب مجھے...... ناپاک......'' وہ کہتے کہتے رو پڑی اور اتنی شدت سے روئی کہ مومنہ پھوپھو کچھ دیر بول ہی نہ پائی تھیں وہ اس کا دکھ سمجھ رہی تھیں شہرزاد کا اغواء اس کے دامن کو مشکوک کر گیا تھا سب کی نظروں میں اس کی پاکیزگی فنا ہو چکی تھی۔

''بیٹا یہ سب کی گندی ذہنیت ہے گندی سوچ ہے تم پریشان مت ہو بلکہ اللہ کا شکر ادا کرو مکتوم تمہارا ہم سفر بنا ہے اور وہ ایسی غلیظ سوچ نہیں

رکھتا وہ ہمیشہ تمہاری عزت اور قدر کرے گا مجھے اس پہ فخر ہے اس نے اتنا بڑا اور مضبوط قدم اٹھا کر دل خوش کر دیا ہے۔'' وہ اسے سمجھا رہی تھیں اور انہوں نے اور بھی نہ جانے کیا کچھ سمجھایا تھا لیکن شہزاد کچھ بھی نہ سن رہی تھی اس کے زخم تو پھر سے ادھڑ گئے تھے۔

''شہزاد ہمیں تم سے ایسی امید نہیں تھی تم تو بالکل ہی ہمت ہار بیٹھی ہو، بیٹا اپنے آپ کو سنبھالو حالات کو فیس کرو دیکھو وہ بھی تو ہے تمہاری خاطر اتنے لوگوں کے سامنے اکیلا ڈٹ گیا سب کچھ چھوڑ دیا ہے لڑکیوں کو تو ایک نہ ایک دن اپنے سسرال جانا ہی ہوتا ہے اپنے ماں باپ اور بہن بھائیوں کو چھوڑنا ہی ہوتا ہے لیکن کوئی مرد کسی کے لئے اپنے آباؤ اجداد چھوڑ دینے کا حوصلہ کبھی نہیں کر سکتا جتنی تم اکیلی اور پریشان ہوا تنا ہی اکیلا اور پریشان وہ بھی ہے لیکن پھر بھی ثابت قدمی کا ثبوت دے رہا ہے تم دونوں کو اچھے طریقے سے زندگی کی شروعات کرنی چاہیے۔ پہلے بھی تم دونوں لاہور میں ہی رہتے تھے بس فرق اتنا ہے کہ اب ساتھ ہو، ایک ساتھ چلو ایک دوسرے کا احساس کرو اگر احساس ہوگا تو محبت بھی ہوگی سمجھ رہی ہو ناں؟'' وہ مدھم آواز سے شہزاد کو سمجھا رہی تھیں اور وہ حتیٰ الامکان ان کی باتوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی یعنی اب اسے مکتوم شاہ کے ساتھ مغرور سی کزن نہیں بیوی بن کے رہنا تھا۔

❁......❁......❁

اور پھر وہ شہزاد جو کبھی اپنے گھمنڈ غرور، ہٹ دھرمی اور ضد سے نیچے آنے کا سوچتی بھی نہیں تھی اس نے اپنا آپ ہر چیز کے نیچے دبا دیا تھا وہ خاک ہوئی تھی سو اس نے اپنے آپ کو خاک کر دیا تھا کیونکہ وہ جان چکی تھی کہ انسان خاک ہے مٹی کا پتلا ہے اب وہ کانچ کا پیکر یا پھر پتھر کا مجسمہ بننے کی کوشش کرے گا بھی تو اپنی ہی خاک کی دھول اڑائے گا اور جب اپنی ہی دھول اڑتی ہے تو بڑی تکلیف ہوتی ہے اور اس تکلیف کو وہ سہہ چکی تھی اسی لئے اب خاک کو خاک سمجھنے کا ہنر آ گیا تھا اور یہ بھی احساس ہو گیا تھا کہ وہ گزشتہ زندگی میں کیا کیا غلطیاں کرتی رہی ہے۔

❁......❁......❁

انسان غلطیوں سے اسی وقت سنبھلتا ہے جب کوئی بڑی ٹھوکر کھاتا ہے وہ بھی یہ ٹھوکر کھا چکی تھی سو اب قدم سنبھل چکے تھے اور وہ مکتوم شاہ کے وسیع ظرف کی معترف ہو چکی تھی وہ خود کو اس کے سامنے نظر اٹھانے کے بھی قابل نہیں سمجھتی تھی وہ اس کی مجرم اور گناہ گار تھی اور اسی وجہ سے ابھی تک دونوں میں مکمل اجنبیت تھی اور یہ اجنبیت سب سے زیادہ مکتوم کی طرف سے تھی وہ اس کی تمام ضرورتیں پوری کر کے خود کو ابھی تک لاتعلق رکھے ہوئے تھا مگر شہزاد اس سے لاتعلق نہیں تھی اس نے اس گھر سے اور اس گھر کے مالک سے جڑے ہر تعلق کو قبول کر لیا تھا کیونکہ وہی اس کی زندگی اور زندگی کا حاصل تھا اسے لگ رہا تھا کہ اسے بے وجہ ہی محبت ہو چلی ہے۔

وہ مکتوم شاہ کی سرد و سپاٹ کیفیت سے کبھی کبھی گھبرا جاتی تھی لیکن پھر خود ہی اپنے اپ کو تسلیاں دینے لگتی تھی اور ان تسلیوں میں امینہ اور رومینہ کا بھی ہاتھ تھا وہ شہزاد کا نئی زندگی کی شروعات میں کافی زیادہ ساتھ دے رہی تھیں اور انہوں نے مکتوم کے منع کرنے کے باوجود گھر میں ایک چھوٹی سی ولیمہ پارٹی ارینج کر لی تھی اور اس تیاری میں وحید انکل بھی پیش پیش تھے ان کی چار بیٹیاں تھیں دو شادی شدہ تھیں اور کینیڈا میں مقیم تھیں۔

اور دو ابھی تک غیر شادی شدہ اور ہواؤں میں اُڑی پھر رہی تھیں دونوں ہی بے حد شرارتی تھیں ان کو دیکھ کر مکتوم کو زرش اور سحرش کا خیال

آتا تھا اور پھر کبھی کبھی تو دل میں یہ خواہش بھی آہ بھر کے رہ جاتی کہ کاش میری بھی کوئی بہن ہوتی اور وہ اسے ڈھیروں پیار کرتا لیکن جب وہ اسے اپنا بھائی کہتیں تو اسے اچھا لگتا تھا۔ آج تو کچھ زیادہ چہک رہی تھیں دونوں بیڈروم میں گھسی ہوئی تھیں۔

''دل تھام لیجئے ہم بھابی کو نیچے لا رہے ہیں۔'' روبینہ نے شرارت سے چھیڑا تھا وہ وحید انکل کے سامنے ان کی چھیڑ چھاڑ سے نہ چاہتے ہوئے بھی نروس ہونے لگا تھا۔

''کیوم شرم آرہی ہے؟'' اتنے لوگوں کے سامنے شادی کے لئے لڑتے جھگڑتے شرم نہیں آئی؟'' وحید کاظمی بیٹیوں سے بڑھ کر تھے۔

''انکل ایک بات پوچھوں؟'' وہ شرٹ کے بازو فولڈ کرتے ہوئے نارمل سے انداز میں بولا تھا۔

''پوچھو آج بہو کی خوشی میں اجازت ہے۔''

''آپ ایسے کاموں میں کچھ زیادہ ہی خوش رہتے ہیں کسی کی خفیہ شادی اور کسی کی چار دیوار میں ولیمہ کروا کے کہیں ایسا ہی کوئی خفیہ کام؟'' مکتوم نے بات ادھوری اور ذومعنی کہی تھی اور وحید انکل کا قہقہہ فلک شگاف تھا وہ اس کی چوٹ سے محظوظ ہوئے تھے۔

''بیٹا چار چار بیٹیوں کا باپ ہوں اب ایسے خفیہ کام کروں بھی تو یہ چاروں پکڑ لیں گی اس لئے دوسروں کو دیکھ کر ہی خوش ہو جاتا ہوں۔'' انہوں نے قریب آتی شہزاد کے سر پہ دستِ شفقت رکھا تھا اور مکتوم نے پلٹ کر دیکھا کہ وہ کس کے سر پہ ہاتھ پھیر رہے ہیں اور اس دیکھنے دیکھنے میں سب کی نظروں میں آ گیا تھا وہ گولڈن اور گرین کمبی نیشن کے انتہائی نفیس اور کامدار ڈریس میں تھی اور نفاست سے کیے گئے میک اپ اور ہلکی پھلکی جیولری میں سچ مچ مدہوش کرنے کے درپے تھی امینہ نہ چونکاتی تو وہ یقیناً بمشکل ہی نظر ہٹا پاتا۔

''نیگ ذرا بھاری والا تیار رکھیں اتنی محنت کی ہے ہم نے۔'' دونوں بہنوں نے انفارم کیا تھا اور وہ ان کی محبت اور محنت کا حق سمجھ کر سر ہلا چکا تھا۔

❁......❁......❁

اس نام نہاد ولیمے کی رات وہ کمرے میں ہی نہیں گیا تھا رات بھر ڈرائنگ روم میں سگریٹ پھونکتے ہوئے سوچوں میں الجھ رہا تھا کیونکہ وہ اتنا بڑا قدم اٹھا لینے کے بعد بھی شہزاد کی طرف سے اپنا دل صاف نہیں کر سکا تھا اسے آج بھی اپنی ماں کے دامن پہ اچھالے جانے والے کیچڑ کے داغ بے چین کیے رکھتے تھے وہ آج بھی اس کی حقارت اور نفرت سوچتا تو پور پور جل اٹھتا تھا اس کی رگ رگ میں آگ بہنے لگتی تھی۔ وہ شہزاد کی طرف مائل ہونا بھی چاہتا تو نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ وہ اسے ناپسند کرتی ہے وہ شاید ارمغان کو چاہتی ہو اسے سوچتی ہو ایسے میں وہ اس پہ اپنا استحقاق اور تسلط نہیں جمانا چاہتا تھا وہ اسے تو قبول کر چکا تھا لیکن اس کی اور بہت سی چیزوں کو قبول نہیں کر پا رہا تھا وہ عجب دوراہے پہ کھڑا تھا اور یہ دوراہا تو نوجوانی کی پہلی نظر سے چلا آ رہا تھا ایک طرف دل تھا اور ایک طرف دماغ ایک طرف شہزاد تھی تو ایک طرف ماں باپ، ایک طرف بے خودی تھی تو ایک طرف بے رخی اور وہ ہمیشہ سے اس تو کے بعد کی باتوں کو مانتا آ رہا تھا اس نے ہمیشہ دماغ کا کہنا مانا تھا اس نے ہمیشہ ماں باپ کو چاہا تھا اس نے ہمیشہ بے رخی پہ یقین رکھا تھا بے خودی کو تو وہ ہمیشہ ہی اپنے قدموں تلے خود ہی روند ڈالتا تھا اسی لئے اب اس دوراہے سے خود کو ہٹانے کے لئے وہ اپنے آپ سے ہی الجھا پڑ رہا تھا۔

اور ایک وہ تھی جو اکیلی ہی سنبھل گئی تھی اور اپنے اچھے برے کو جاننے کے قابل ہوگئی تھی اس نے رات بھر اس کا انتظار کیا تھا لیکن وہ اتنا سنگدل ہو چکا تھا کہ اسے ایک نظر دیکھنے کی غرض بھی نہیں رکھتا تھا وہ اپنی موجودہ زندگی پہ دو آنسو بہا کر تلخی سے مسکرائی تھی۔

جو بویا ہو وہ تو کاٹنا ہی پڑتا ہے محترمہ شہرزاد۔'' اس نے خود کلامی سی کی اور آہستہ آہستہ تمام زیور اتارنے لگی تھی اک اور صبح کنارے آ لگی تھی اور ایک نیا دن نئی رات کو ڈھونڈنے نکل چکا تھا شاید اسے رات مل ہی جاتی مگر اپنا آپ گنوا کر بالکل ایسے جیسے محبت انسان کے دل کو کھا کر جوان ہوتی ہے پھر محبت تو رہتی ہے مگر دل نہیں رہتا اسی طرح رات تو رہتی ہے دن نہیں رہتا جیسے...... جیسے شہرزاد تو رہ گئی تھی مگر مکتوم نہیں رہا تھا حالانکہ وہی تو اسے ڈھونڈنے نکلا تھا اور ڈھونڈ کر خود کھو گیا تھا۔

❁......❁......❁

رفتہ رفتہ خود بخود ہی زندگی اک روٹین پہ آتی چلی گئی تھی اور ان دونوں کو ہی پتہ نہ چلا کہ کیسے سب کچھ نارمل اور اپنے اپنے مقام پہ فٹ ہو گیا تھا اور وہ اپنا آفس سنبھال رہا تھا اور وہ گھر سنبھال چکی تھی اگر چہ مکتوم نے اسے یونیورسٹی جوائن کرنے اور اپنا آخری سمسٹر کلیئر کرنے کی اجازت بھی دی اور اصرار بھی کیا تھا مگر وہ اونچے اونچے خواب دیکھنے اور خود کو بہت اعلیٰ چیز سمجھنے کے دور سے نکل آئی تھی جب اسے اس چار دیواری کے لئے ہی جینا تھا تو وہ اس چار دیواری کو ہی اپنا بنا کر رکھنا چاہتی تھی اب خود کچھ بن دکھانے کا شوق جاتا رہا تھا اب بیوی بن کر دکھا دیتی یہی کامیابی تھی۔

آج اتوار تھا اور وہ گھر پہ ہی تھا شہرزاد سارے کام ختم کر کے اوپر چلی گئی تھی اس کا ارادہ بیڈ روم صاف کرنے کا تھا مکتوم لاؤنج میں بیٹھا بے دھیانی اور سستی سے ٹی وی دیکھنے میں محو تھا اتوار کو کوئی کام نہیں ہوتا تھا اور وہ گھر پہ بور ہو جاتا تھا ابھی بھی ڈھیلے ڈھالے براؤن کلر کے شلوار سوٹ میں وہ صوفے پہ نیم دراز لیٹا چینل سرچ کر رہا تھا جب موبائل بج اٹھا تھا۔

''کیسے ہو بیٹا؟'' مومنہ پھوپھو بات کر رہی تھیں تقریباً پانچ منٹ بعد انہوں نے شہرزاد کو فون دینے کا کہا اور وہ جوتے پہن کر شہرزاد کی تلاش میں نظر دوڑاتا اوپر آ گیا کیونکہ کچن کا دروازہ بند تھا اور موبائل کی سمت دھیان ہونے کی وجہ سے وہ بنا دستک دیئے اندر چلا آیا تھا لیکن شہرزاد کو دیکھ کر نظر تو نظر ایمان بھی ڈانواڈول ہو گیا تھا آف وائٹ باریک سلکی نائٹی میں اس کے ہوشربا سراپے کی حشر سامانیاں مکتوم شاہ کی رگوں میں لہو کی گردش تیز کر گئی تھیں اور وہ پہلی بار بے خودی میں اپنے قدم روک نہیں پایا تھا اور دوسری طرف شہرزاد اس اچانک افتاد پہ شرم سے زمین میں گڑ گئی تھی اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ یوں اچانک چلا آئے گا وہ اپنی جگہ ہلنے کے بھی قابل نہیں تھی مکتوم شاہ کی نگاہوں کا استحقاق ایسا تھا کہ شہرزاد کی رنگت شرم سے سرخ پڑ گئی۔

''پھوپھو کا فون......'' اس نے بے حد گھمبیر آواز سے کہتے ہوئے موبائل اسے تھمایا اور اسے حصار میں لے لیا شہرزاد آف موبائل اور مکتوم کی کھوئی کھوئی کیفیت دیکھ حیران ہوئی تھی لیکن اس کے حصار میں شدت سے اس کے منہ سے سسکی نکل گئی تھی لیکن وہ اس کی سسکی سن نہیں سکا تھا۔

''نفرت کرتی ہو ناں مجھ سے؟'' وہ اس کے وجود کو بانہوں میں بھینچ کر اس کا چہرہ سختی سے اپنے سامنے کر چکا تھا شہرزاد کے چہرے پہ نہ جانے کس درد کس تکلیف کے آثار تھے کہ وہ مزید بپھر گیا تھا۔

''میں بھی تم سے نفرت کرتا ہوں اتنی نفرت کہ جی کرتا ہے تمہیں جان سے مار ڈالوں قتل کردوں تمہارا۔'' وہ اس کے بال مٹھی میں دبوچ چکا تھا اور وہ آنکھوں کی نمی چھپانے لگی۔

''میں نفرت کرتی تھی تو سب کچھ کر گزرتی تھی کسی کے دل کی پروا نہیں کرتی تھی آپ نفرت کرتے ہیں تو آپ بھی اظہار کریں جو چاہتے ہیں کر ڈالئے، مجھے جان سے مار کر آپ کو سکون ملتا تو میں ابھی یہ کام کر لیتی لیکن آپ کا سکون تو میری زندگی سے جڑا ہے میں ہوں تو آپ کو سکون ہے میں نہیں تو آپ......''

''جسٹ شٹ اپ میں بکواس نہیں سننا چاہتا......'' وہ مشتعل ہونے لگا اور شہزاد نے بے اختیار نم آنکھوں سے اسے دیکھا اور ہاتھ میں پکڑا موبائل اس کی سامنے والی جیب میں ڈال دیا وہ ابھی بھی اس کے حصار میں تھی کیونکہ اسی حصار میں اس کی زندگی کا تحفظ تھا پھر وہ اس حصار سے نکلنے کی بیکار سی کوشش کیوں کرتی؟

''آپ تو بڑی سے بڑی باتیں برداشت کر لیتے ہیں یہ ذرا سا سچ برداشت نہیں ہو رہا؟'' اس نے اس کے سینے پہ ہاتھ رکھ دیا تھا اس نے شہزاد کو اک جھٹکے سے خود سے دور کر دیا وہ اس کے سکون اور اتنے یقین کو دیکھ کر پاگل ہی تو ہوا تھا لیکن یوں لڑکھڑا کر بیڈ پہ گرتے ہوئے وہ ہلکے سے کراہی تھی اور وہ پلٹ کر واپس جاتے جاتے ٹھٹک گیا۔ اس کی پشت پر ہلکا سا خون کا دھبا دیکھ کر وہ چونکا تھا کیونکہ اس کی کمر پر ترچھی سی لکیروں میں تین چار داغ تھے وہ جھک کر ان داغوں کو چھونے سے خود کو روک نہیں پایا تھا۔

''یہ داغ یہ زخم کیسے ہیں؟'' مکتوم حیرت زدہ ہو چکا تھا لیکن وہ یونہی اوندھے منہ گری بے اختیار سسک اٹھی تھی وہ اس کے زخموں کو چھو رہا تھا۔

''شہزاد میں کیا پوچھ رہا ہوں یہ سب کیا ہے یہ یہ نشان کیسے ہیں؟'' اس نے جھٹکے سے اسے کندھوں سے تھام کے سیدھا کیا اور اپنے سامنے کر لیا تھا۔

''جب میں کڈ نیپ ہوئی......تو......تو میں نے کھانا پینا بند کر دیا تھا اور جب تین چار روز میں نے کچھ نہیں کھایا تو وہ عورت جو مجھے کھانا دینے آتی تھی اس نے ایک دن چھڑی سے مارنا شروع کر دیا۔'' وہ ہچکیوں سے بتا رہی تھی اور مکتوم کا دماغ ماؤف ہو گیا وہ بے یقینی سے دیکھ رہا تھا کہ اس نے کیسی کیسی اذیتیں سہی ہیں۔

''تو یہ ابھی تک ٹھیک کیوں نہیں ہوئے؟''

''مم میں نے کسی کو بھی نہیں بتایا تھا لیکن......ایک دن اماں سائیں نے میری قمیص پہ خون کے دھبے دیکھ لئے تھے......پھر انہوں نے ہی دو تین روز میرے زخموں پر مرہم لگایا......اور اور بعد میں، میں یہاں آ گئی اور پھر کوئی مرہم نہیں لگایا مجھے اتنے دنوں سے نیند نہیں آتی تھی۔ میں نے کل زبیدہ سے مرہم منگوا لیا اور ابھی بھی یہ مرہم لگا رہی تھی اور آپ......'' وہ اپنے آنسو پونچھ کر سر جھکا کر اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی اور مکتوم کو ابھی تھوڑی دیر پہلے اپنی بانہوں کے حصار میں جکڑی شہزاد کے چہرے کی تکلیف اور درد کی وجہ سمجھ آ گئی تھی اور یہ بھی سمجھ آ گیا کہ وہ دن میں نائٹی کیوں پہنے ہوئے تھی اور پھر وہ کتنی ہی دیر بے آواز آنسو بہاتی رہی اور وہ خاموشی سے مرہم لے کر اس کے زخموں پہ رکھتا رہا تھا۔

❁......❁......❁

غزل کا تعلق اس گروہ سے تھا جو لوگوں کی عزتوں کا سودا بڑی آسانی اور دیدہ دلیری سے کرتا تھا پہلے وہ کسی بھی بچے کو اغوا کر کے تاوان مانگ لیتے تھے لیکن انہیں بچوں کے اغوا میں کچھ خاص ہاتھ نہیں آتا تھا پھر انہوں نے لڑکیوں کا اغوا کرنے کا سوچا اور انہیں اچھی خاصی کامیابی ہوئی جس لڑکی کے گھر سے تاوان نہیں ملتا اس لڑکی کو غیر ملکی مردوں کے ہاتھوں بیچ کر انہیں ان مردوں کی رات کا سامان بنا دیا جاتا تھا اور جب وہ لڑکی ہر ہاتھ میں بکنے لگتی اور اپنی خوبصورتی کھو دیتی تو اسے آزاد کر دیا جاتا تھا اور اس کاروبار میں ملک کے نامور حضرات کا بھی ہاتھ تھا جو دن کی روشنی میں معروف شخصیات کا چولا پہن کر عزت اور ستائش سمیٹتے لیکن اس دفعہ انہوں نے ہاتھ غلط جگہ ڈال دیا تھا۔

وہ عورتیں جو اس کام میں استعمال ہوتی تھیں وہ جانتی تھیں وہ ایک سید زادی ہے وہ کس خاندان سے تعلق رکھتی ہے اس لئے اسے غلط نگاہ سے دور رکھتے ہوئے محض تاوان پہ اکتفا کیا گیا تھا کیونکہ غزل اتنے دنوں سے شہزاد کو جانتی تھی اس کی کلاس فیلو بن کے رہی تھی اور باقاعدہ پلاننگ کر کے اس روز اس کے ساتھ گاڑی میں آئی اور اس کا اغوا کروالیا تھا کیونکہ وہ بہت عرصے سے جانتے تھے اس آسامی سے بہت فائدہ ہوگا مگر مکتوم شاہ

اور توقیر شاہ نے کڑی سے کڑی ملا کر ان کے تمام فائدے ملیامیٹ کر ڈالے تھے پورا گینگ بمعہ ثبوتوں کے گرفتار ہوا تھا وہ اور لڑکیاں بھی برآمد ہوئی تھیں لیکن ابھی بھی مکتوم شاہ اس معاملے سے الگ نہیں ہوا تھا وہ ان لوگوں کو عبرتناک انجام تک پہنچا کر دم لینا چاہتا تھا۔ وہ آج تو شہزاد کے زخم اور تکلیف دیکھ کر وہ پہلے سے زیادہ غضب ناک ہو گیا تھا وہ ان کو سخت سزا دلانا چاہتا تھا۔

❁......❁......❁

”زبیدہ ایک کپ چائے لے آؤ۔“ وہ آتے ہی بیڈ پہ بیٹھ گیا تھا انداز بے حد تھکا تھکا اور کچھ بوجھل سا تھا زبیدہ کمرے سے باہر نکل گئی تو وہ ٹائی کی ناٹ کھول کر وہیں آڑا ترچھا لیٹ گیا شہزاد زبیدہ کو پاس بٹھائے اس سے باتیں کر رہی تھی جب وہ اپنے وقت سے ایک گھنٹہ پہلے آ گیا تھا اور شہزاد کو نظرانداز کر کے زبیدہ سے مخاطب ہوا تھا یہ بیگانگی اور بے رخی ان دونوں کے درمیان سے ابھی تک ختم نہیں ہوئی تھی وہ آٹھ ماہ سے ندی کے دو کناروں کی طرح ساتھ ساتھ چل کر بھی اک دوسرے سے بے حد دور تھے حالانکہ شہزاد کچھ اپنے دل کی آمادگی سے اور کچھ مومنہ پھوپھو کی نصیحتوں سے کافی حد تک اس کی بیوی کے روپ میں ڈھل چکی تھی لیکن وہ ابھی تک ایک شوہر کے روپ میں نہ ڈھلا تھا وہ آج اپنے آپ کو وہی مکتوم شاہ سمجھتا تھا جس سے شہزاد کو نفرت اور چڑ ہوتی تھی۔

وہ آنکھیں بند کئے یوں بے ترتیب سے لیٹے مکتوم شاہ کو بڑی توجہ سے دیکھنے لگی تھی وہ بیڈ پہ قریب ہی تو بیٹھی تھی ذرا سا ہاتھ بڑھا کر اس کے نین نقوش چھو سکتی تھی۔ (سب کہتے ہیں یہ خیام چچا کی کاپی ہے کیا وہ اتنے ہی خوب صورت تھے بالکل اس جیسے؟) وہ اسے دیکھتے ہوئے سوچنے لگی اور جب تک زبیدہ آئی وہ شاید سو چکا تھا شہزاد نے بھی اسے جگانا مناسب نہ سمجھا اور پھر خود ہی جھک کر اس کے بوٹوں کے تسمے کھولنے لگی اس کے بوٹ اتار کر موزے بھی اتار دیے اس کے تھکے تھکے پاؤں کو ذرا سا سکون دینے کے لئے اپنے ہاتھوں کی نرمیاں بخشنے لگی۔

وہ جاگی سوئی کیفیت میں بھی مسرور ہونے لگا تھا وہ اس کے پیروں کی انگلیاں اور تلوے سہلا کر اسے دل کھینچ لینے والا سکون بخش رہی تھی مکتوم کا جی چاہا اس کے نرم نرم نازک ہاتھوں کو چوم لے اور اسے سینے میں بھینچ کر اپنی زندگی کی تمام خواہشیں تمام حسرتیں مٹا ڈالے ہر فاصلے کو یکجا کر

ڈالے لیکن پھر وہی آٹھ ماہ سے چلی آنے والی انا آڑے آ گئی تھی اور وہ اس کی اس دل موہ لینے والی ادا پہ دل مسل کے رہ گیا تھا اور ہنوز آنکھیں بند کیے انجان بنا رہا تھا اور یہ سب تو پچھلے کئی مہینوں سے چلا آ رہا تھا وہ چاہے کچھ بھی کر لیتی وہ اگنور کر دیتا تھا وہ نظر اندازی کے فن سیکھ گیا تھا اسے قابل اعتنا ہی نہ جانتا تھا لیکن پھر بھی وہ ہمت نہیں ہارتی تھی شاید مکتوم شاہ کی برداشت اور خصلتیں اس میں سما گئی تھیں۔

⊛......⊛......⊛

اوائل جنوری کے دن تھے اور موسم کی مستیاں عروج پہ تھیں لیکن موسم کی بدلتی رنگت شہرزاد کو نیلا پیلا کر جاتی تھی عصر کے قریب موسم ٹھنڈا ہوا تو فوراً گرم شال اور سویٹر پہن لیے تھے اور مکتوم کو کھانا دینے کے فوراً بعد بیڈ روم کا رخ کیا تھا لیکن بھلا ہو حید انکل کا وہ ادھر آ نکلے تھے سو مجبوراً اسے دوبارہ یخ موسم میں کچن کا رخ کرنا پڑا اور ان کے لئے چائے لے گئی مکتوم اس کے ہاتھ سے کپ پکڑتے ہوئے اس کے ہاتھوں کی لرزش دیکھ چکا تھا یہ سردی کی کپکپی تھی وہ جانتا تھا کہ وہ سردی سے کس حد تک بھاگتی ہے۔

"تم جاؤ ہم ابھی بیٹھیں گے......" دو روز بعد مکتوم کو آسٹریلیا جانا تھا اسی پروگرام کے متعلق ڈسکشن ہو رہی تھی اور وہ مکتوم کی طرف سے اجازت پا کر شکر ادا کرتی بیڈ روم کی طرف بھاگی ابھی کمبل میں گھس رہی تھی جب فون بج اٹھا۔

"السلام علیکم پھوپھو۔" وہ نمبر دیکھ چکی تھی۔

"جیتی رہو کیا کر رہی تھیں؟"

"سردی سے بچنے کی کوشش۔"

"ارے ہاں سردی تو یہاں بھی بہت ہے جب کبھی برف باری ہوتی ہے تو سوچتی ہوں شہرزاد یہاں ہوتی تو کیا کرتی؟" وہ بھی جانتی تھیں کہ وہ کتنا ٹھٹھرتی ہے۔

"توبہ پھوپھو مجھے ڈرائیں تو مت مجھے تو آج لاہور بھی مری سے کم نہیں لگ رہا۔" وہ جھرجھری لینے لگی۔ "تم کبھی مری گئی؟"

"نہیں کبھی فرصت ہی نہیں ملی۔"

"تو اب چلی جاتیں مکتوم کے ساتھ ہنی مون ٹرپ ہو جاتا دونوں کا۔" مومنہ پھوپھو کی بات پہ وہ ذرا سی تھم گئی تھی جو شخص سیدھے منہ بات کرنے کا روادار نہیں تھا وہ ہنی مون ٹرپ کیسے پلان کر سکتا تھا۔

"شہرزاد کیا ہوا میری بات اچھی نہیں لگی؟"

"نہیں پھوپھو مجھے بھلا آپ کی بات کیوں بری لگے گی؟"

"کیا کوئی پرابلم ہے؟ مکتوم کے ساتھ ریلیشن کیسا ہے؟" ان کو تشویش ہوئی تھی۔

"سب کچھ ٹھیک ہے ڈونٹ وری۔" وہ ہلکے سے ہنسی۔

انہوں نے فی الحال تو اس بات کو چھوڑ دیا لیکن آئندہ مکتوم کی کلاس لینے کا ارادہ کر کے بند کر دیا تھا۔ شہرزاد اپنی باتوں کو سوچتی بہت جلد سو

گئی تھی بارش شروع ہوئی تو وحید انکل کو واپسی کا خیال آیا تھا اور جب وہ بیڈ روم میں آیا رات کے بارہ بج رہے تھے وہ گہری نیند سو رہی تھی وہ لیٹنے کی بجائے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے سگریٹ پی رہا تھا دھیان نہ جانے کہاں سے کہاں پرواز کر رہا تھا اور اسی بے دھیانی میں نہ جانے اس نے کتنے سگریٹ پھونک ڈالے تھے دھوئیں کے مرغولے کمرے کو تاریک کرنے لگے تھے تھک کر سگریٹ ایش ٹرے میں مسل ڈالا۔ اور پھر اسی تھکن کے ہاتھوں نیند محسوس ہونے لگی تھی تکیہ درست کر کے کروٹ بدلی اور کمبل اوپر کھینچ لیا تھا ابھی وہ پوری طرح سے نیند میں غافل نہیں ہوا تھا جب بری طرح سٹپٹا گیا تھا کیونکہ وہ نیند کے باوجود سردی سے بچنے کے لئے کوئی گرم پناہ ڈھونڈ رہی تھی اور اس تلاش میں اپنی بے خبری کے عالم میں وہ اس کے سینے میں چھپ گئی تھی اور وہ اپنی جگہ پہ ساکت رہ گیا تھا اس کے ہوش فنا ہونے لگے تھے۔

''شہزاد......'' اس نے اپنے جذبات کا طوفان اٹھتے دیکھا تو گھبرا کر اسے پکار بیٹھا لیکن وہ گہری نیند سے کسمسا کر اور بھی قریب آ گئی تھی اور مکتوم شاہ سچ مچ اتنی قربت سے پاگل ہوا اٹھا اس کا صبر ریت کی مانند ہاتھوں سے چھوٹتا جا رہا تھا کہ کچھ شہزاد کی بے خود کر دینے والی بے خبری اور کچھ اس کے وجود پہ ملکیت اور استحقاق کا احساس ایسے حاوی ہوا کہ دل میں کب سے چپ بیٹھے جذبات ایک دم سے شوریدہ سر ہو گئے تھے اس کی بے نیازی، لاتعلق اور بے گانگی چند لمحوں میں ہی دھری کی دھری رہ گئی تھیں وہ اسے خود سے الگ بھی کر سکتا تھا مگر اس وقت اتنا حوصلہ کہاں سے لاتا؟ جب وہ خود ہی اس کی پناہوں میں آ رہی تھی تو وہ کیسے نظر چرا لیتا۔

❁......❁......❁

وہ جو پہلے ہی سردی سے نڈھال ہو جاتی تھی آج تو باقاعدہ کانپ رہی تھی اور اس مسلسل کپکپی کے باعث ایک کپ اور دو پلیٹیں بھی ٹوٹ چکی تھیں باہر بارش ابھی بھی زور و شور سے برس رہی تھی سردی کی منہ زوری عروج پہ تھی ملازمہ ابھی تک نہیں آئی تھی اسے پتہ تھا کہ ناشتہ وہ خود بنا لیتی ہے اور اب تو مکتوم بھی اسی کے ہاتھ کے کھانے کا عادی ہو گیا تھا لیکن آج وہ دونوں ہی ایک دوسرے کے سامنے آنے سے کترا رہے تھے شہزاد مکتوم شاہ کو ایک مکمل شوہر کے روپ میں محسوس کر کے انوکھے سے احساسات میں گھری ہوئی تھی اور مکتوم شاہ شہزاد کو باقاعدہ بیوی کا درجہ دے کر الجھ گیا تھا اسے الگ رہا تھا کہ اس نے اپنا استحقاق جما کر اچھا نہیں کیا شاید شہزاد ایسا نہ چاہتی ہو اور پھر بھی اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیے ہوں یہی سوچ اسے ڈسٹرب کر رہی تھی کیونکہ رات کا خمار اترتے ہی پہلا حملہ سوچوں نے ہی کیا تھا اور سوچوں کے تسلسل کو موبائل رنگ نے توڑا تھا وہ لیٹ ہو چکا تھا اور وحید انکل متفکر ہو گئے تھے۔

تیار ہو کر نیچے آیا تو وہ کچن میں مصروف دکھائی دی گرم کپڑوں اور شال میں لپٹی وہ بہت پیاری لگ رہی تھی مگر وہ اب اور کسی گستاخ حرکت کا حوصلہ نہیں رکھتا تھا سو آہستگی سے نظر چرا کر ناشتا کرنے بیٹھ گیا۔

''کچن کا سودا سلف ختم ہو چکا ہے آپ زلفی کو مارکیٹ بھیج دیں۔'' اک نروس کر دینے والی خاموشی کا حصار تھا جو شہزاد نے خود ہی توڑ ڈالا تھا وہ کنفیوژ جو ہونے لگی تھی۔ وہ ناشتہ کر کے اٹھا اور والٹ سے روپے نکال کر اس کی سمت بڑھا دیے۔

''جو کچھ منگوانا ہے منگوا لینا۔'' وہ اسے ذمہ داری سونپ کر چلا گیا تھا اور وہ اس کے جاتے ہی برتن سمیٹنے لگی کچن سے فارغ ہو کر ڈرائنگ

روم میں آئی اور کشن وغیرہ ترتیب سے رکھنے میں مصروف تھی جب بھاری قدموں کی چاپ سن کر یکدم پلٹی لیکن پلٹتے ہی اس کی چیخ نکل گئی۔

''عمیر لالا؟'' وہ لپک کر آگے بڑھی اور عمیر شاہ کے کندھے سے لگ گئی دونوں کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں وہ چار بھائیوں کی اکلوتی بہن ہو کر بھی ان کی پیار محبت کے لئے ترس رہی تھی انہیں اچھی طرح اندازہ تھا عمیر شاہ نے اس کی پیشانی پہ بوسہ دیا پورے ایک سال اور ایک ماہ بعد وہ بہن بھائی ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

''کیسی ہو؟'' عمیر شاہ نے اپنے آنسو پونچھ کر استفسار کیا تھا۔

''میرا خیال ہے تم مجھے صرف پہرا دینے کے لئے لائے ہو جبکہ میں تو اپنی بہن سے ملنے آیا تھا۔'' طلال شاہ عمیر کے عقب سے نمودار ہوا تھا۔

''طلال لالا آپ۔'' اس نے بے یقینی سے دیکھا اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا طلال شاہ نے اس کا سر تھپکا اور اس کے آنسو پونچھے۔

''ہر وقت کا رونا دھونا بھی نحوست پھیلا دیتا ہے گھر کو جگمگانا چاہتی ہو تو ہنستی مسکراتی رہا کرو۔'' وہ جان بوجھ کر بڑی بوڑھیوں کی طرح بولے تو وہ بے اختیار ہنس پڑی لیکن اس ہنسی میں بھی آنسو گھل رہے تھے کیونکہ وہ جانتی تھی کہ جب وہ سب سے بچھڑی تھی تو کیا حالات تھے اور آج وہ کتنے اعتماد سے ان کے سامنے سر اٹھائے کھڑی تھی اور یہ سب صرف اس کے رب تعالیٰ کی اور اس شخص کی مہربانی اور عنایت تھی جو ایک سال بعد بھی اس سے لاتعلق الگ اور کچھ خفا خفا رہتا تھا۔

''مکتوم کہاں ہے؟'' طلال نے صوفے پہ بیٹھتے ہوئے پوچھا طلال مکتوم کا ہم عمر جبکہ عمیر شاہ چھوٹا تھا۔

''وہ ابھی آفس کے لئے نکلے ہیں بلاتی ہوں آپ بیٹھیں۔'' وہ فون سیٹ کی طرف بڑھنے لگی لیکن عمیر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر پاس بٹھا لیا۔

''انہیں کام پر جانے دو پھر کبھی چکر لگا تو ان سے بھی ملاقات ہو جائے گی ویسے ان کی کمپنی کافی ترقی کر گئی ہے ایک سال میں کافی بزنس کیا ہے انہوں نے؟'' عمیر شاہ ساری معلومات رکھے ہوئے تھا وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

''اماں سائیں بابا سائیں اور...... اور بی بی جان کیسی ہیں۔''

''بی بی جان تو اب اکثر ہی بیمار رہتی ہیں اور اماں سائیں تم دونوں کو یاد کرتی رہتی ہیں لیکن پتہ نہیں کیا بات ہے شہزاد اس واقعہ کے بعد بابا سائیں چپ ہو کر رہ گئے ہیں کچھ بھی نہیں بولتے ہر کام سے ہاتھ کھینچ لیا ہر فیصلہ ہر اصول ہر پنچائیت چھوڑ دی ہے وہ خود کو خیام چچا کا تم دونوں کا مجرم سمجھتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ اتنے سال پہلے ان کے فیصلے اور ضد کی وجہ سے خیام چچا کی جان چلی گئی اور پھر اسی وجہ سے مکتوم لالا بھی ماں باپ کے سائے سے محروم ہو گئے لیکن پھر بھی انہوں نے ان رسومات سے کنارہ نہیں کیا انہیں شمشاد خان کی بیٹی کی آہ لگی ہو گی اسی لئے ان کی بیٹی کی زندگی بھی تباہ ہو کر رہ گئی ہے۔'' عمیر شاہ کی بات سن کر اس کا دل مٹھی میں آ گیا تھا۔

''اگر انہیں احساس ہے تو وہ مجھ سے ملتے کیوں نہیں؟'' اس کا لہجہ بھرانے لگا۔

''شاید انہیں ملنے پہ اعتراض نہ ہو شہزاد لیکن قبیلے والوں کو اعتراض ہو سکتا ہے وہ ہمارے قبیلے کا بائیکاٹ کر دیں گے ہم دونوں یہاں کسی کام سے آئے تھے لیکن موقع ملا تو رہ نہیں سکے اس لئے چوری چوری ملنے چلے آئے اماں سائیں بھی تمہارے لئے فکر مند تھیں۔''

''یہ قبیلے والوں کا ڈر کب ختم ہوگا؟'' وہ روہانسی ہوتی جھنجھلا گئی تھی۔

''جب میں قبیلے سے باہر اور شہر کی لڑکی سے شادی کروں گا۔'' عمیر شاہ کے لہجے میں عزم بھی تھا اور شرارت بھی وہ حیرت و بے یقینی کی ملی جلی کیفیت میں دیکھنے لگی تھی۔

''ہاں یار اب کسی اور کو بھی تو قدم آگے بڑھانا چاہیے ہر بار خیام چچا اور مکتوم لالا بازی لے جاتے ہیں انشاء اللہ حالات بدلیں گے قبیلہ اپنے غلط اور فرسودہ رسم و رواج دیکھتا رہ جائے گا دوسروں کی زندگیوں کے فیصلے پورے قبیلے کو نے کا حق نہیں سب کے ماں باپ اور بہن بھائیوں کو فیصلے کی اجازت ہونی چاہیے، کسی باہر کے فرد کو مداخلت کا حق ہرگز نہیں دینا چاہیے کیونکہ تکلیف ہمیں ہوتی ہے دوسروں کو نہیں، مرہم بھی ہمیں ہی رکھنا ہے اور انشاء اللہ یہ کام ضرور ہوگا۔'' عمیر شاہ کے ارادے پختہ تھے طلال شاہ معنی خیز سے مسکرا دیے تھے۔

❁......❁......❁

وہ کچن میں گئی تو پتہ چلا کہ وہ مٹھائی اور فروٹ کی ٹوکریاں چھوڑ گئے ہیں جو زلفی کچن میں رکھ گیا تھا انہوں نے زلفی کو بھی بھاری بھرکم ٹپ دی تھی شام کو جب وہ واپس آیا تو یہ خوشی پہلی نظر میں ہی محسوس ہوگئی تھی لیکن پوچھا نہیں تھا مگر اس کے ہاتھ سے کوٹ لیتے ہوئے وہ خود ہی چہک اٹھی تھی۔

''آج......آج عمیر لالا اور طلال لالہ آئے تھے۔ بہت دیر بیٹھے رہے۔'' شہزاد کی چہکار پہ اس نے تسمے کھولتے ہوئے سر اٹھا کر اسے دیکھا اتنی خوش وہ صبح اس کے آفس جانے سے پہلے تو نہیں لگ رہی تھی جتنی اس وقت دکھائی دے رہی تھی وہ سر جھکا کر دوبارہ تسمے کی گرہ کھولنے لگا۔

''آپ کو خوشی نہیں ہوئی؟'' وہ سلیپر پہن کر الماری کی سمت بڑھ رہا تھا جب اس کی بات پہ ٹھہر کر اس کی سمت پلٹا۔

''میرا خیال ہے کہ سب کو اپنوں کی خوشی پہ خوشی ہوتی ہے کسی اور خوشی میں خوش ہونا کسی کو نہیں آتا اس لئے آپ کے اپنے آئے تھے آپ کو خوش ہونے کا پورا حق ہے جبکہ میرا کوئی اپنا نہیں اس لئے مجھے کبھی خوشی نہیں ہوگی۔'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا لفظ چبا کر ادا کرتا پلٹ کر باتھ روم میں چلا گیا اور وہ جہاں کی تہاں بیٹھی رہ گئی تھی جو کچھ وہ کہہ کر گیا تھا وہ سچ ہی تو تھا وہ کب کبھی اس کی خوشی میں خوش ہوئی تھی کب حویلی والوں نے مکتوم شاہ کو اپنا ہونے کا احساس بخشا تھا کب کسی نے اسے چاہتوں سے نوازا تھا سب نے ہمیشہ محض رشتہ نبھایا تھا کیونکہ وہ ان کی اولاد کی اولاد تھا ان کا خون تھا اس سے آگے کچھ نہیں تھا اور وہ بھی اپنے دل میں اب ''کچھ نہیں'' کے سوا کچھ نہیں رکھتا تھا شہزاد نے دونوں ہاتھوں میں سر تھام لیا تھا۔

❁......❁......❁

''پھوپھو اس نے میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے میرے ساتھ کھیل کھیلا ہے وہ مجھے سزا دینا چاہتا تھا وہ انتقاماً مجھے قبول کرنے پہ آمادہ ہوا تھا وہ......وہ مسلسل مجھے سزا دے رہا ہے۔'' وہ یکدم پھٹ پڑی تھی اس کی ہچکیاں بندھ گئیں۔

''کیا کہہ رہی ہو تم؟''

''ہاں ہاں سچ کہہ رہی ہوں اس سے بڑی سزا اور کیا ہوگی کہ مجھ سے بات تک نہیں کرتا، میں دن اس کے انتظار میں گزار دیتی ہوں لیکن وہ آتا ہے تو دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا میں ایک سال اور تین ماہ سے اس کے پیچھے بھاگ رہی ہوں اور وہ مجھ سے بھاگ رہا ہے وہ......اگر ایسا ہی رہا تو

میرا دماغ پھٹ جائے گا پھوپھو میں تھک جاؤں گی...... پاگل ہو جاؤں گی میں اور برداشت نہیں کر سکتی۔'' شہزاد آج اپنے صبر کا دامن چھوڑ بیٹھی تھی اور جو کچھ دل میں تھا سب مومنہ پھوپھو سے کہہ ڈالا تھا انہوں نے بنا کچھ کہے فون بند کر دیا۔

''مکتوم شاہ پچھلے ایک ہفتے سے بنکاک گیا ہوا تھا اور آج واپس آرہا تھا اسی کے متعلق مومنہ پھوپھو نے پوچھا تو وہ چڑ گئی تھی کہ مجھے اس کے آنے اور نہ آنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا وہ پھر ان کے مزید استفسار پہ پھٹ پڑی تھی۔

وہ اپنے آنے کی اطلاع صبح ہی دے چکا تھا لیکن جب وہ آیا تو شہزاد کو دیکھ کر چونک گیا وہ بیڈ پہ لیٹی چہرے پہ کلائی رکھے ہوئے تھی اب پتہ نہیں تھا وہ سو رہی تھی یا پھر محض بہانہ تھا لیکن وہ اسے جگا نہیں سکا تھا کیونکہ وہ ہر کام میں اس کی مدد کا عادی ہو گیا تھا یہاں تک کہ آفس سے واپسی پہ سلیپر تک وہ پیش کرتی تھی وہ بلا مبالغہ ایک اچھی اور مکمل بیوی کے سانچے میں ڈھلی اس کی خدمت میں بالکل کوتاہی نہیں کرتی تھی اور آج وہ اتنی دور سے اتنے دنوں بعد آیا تھا پھر بھی وہ لاتعلق بنی سو رہی تھی مجبوراً خود ہی سلیپر پہننے پڑے تھے اور پھر کپڑے چینج کرنے چلا گیا تھا۔

رات کا کھانا بھی زبیدہ نے ہی لگایا تھا اور زبیدہ کے بلانے پہ ہی وہ نیچے آئی پنک کلر کے کاٹن کے ملگجے سے شکن آلود لباس میں وہ خود بھی کچھ ایسی ہی الجھی بکھری لگ رہی تھی سیاہ گھنگھریالے بال چہرے کی اداسی کے پہرے دار بنے ہوئے تھے اور چہرے کی رنگت سرخ آنکھیں سوجی ہوئیں اور پپوٹے سرخ اور بھاری لگ رہے تھے مدہم سی آواز میں سلام کر کے کرسی کھینچ کے بیٹھ گئی اور پھر جتنی دیر بیٹھی رہی سر جھکائے رکھا تھا وہ اندر ہی اندر اس کی کیفیت سوچ کر حیران ہوتا رہا اور پھر اس کی حیرانی ہوا ہو گئی تھی وہ اکیلا ڈرائنگ روم میں بیٹھا ٹائم پاس کر رہا تھا جب مومنہ پھوپھو کی کال آ گئی آج ان کے لہجے کی نرمی مفقود تھی۔

''کام کیسا جا رہا ہے؟''

''جی بہت اچھا۔'' وہ ان کے انداز پہ الجھنے لگا تھا۔

''گھر اور گھر والی کا کیا حال ہے؟'' وہ آج بڑے نپے تلے سوال کر رہی تھیں۔

''وہ بھی بہت اچھے حال میں......''

''گویا تمہارے خیال میں سب کچھ اچھا ہی اچھا ہے؟''

''پھوپھو آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟''

''تم شہزاد کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟'' وہ ان کی بات پر ششدر رہ گیا تھا اس نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے مگر کہہ نہیں پایا تھا۔

''سیدھی سی بات ہے مجھے لگی لپٹی رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے جب تم اس کے ساتھ خوش نہیں ہو تو اسے چھوڑ دو کیوں اپنے آپ کو باندھ رکھا ہے؟ یا پھر اسے قیدی بنا کر رکھنے میں تمہاری انا کی تسکین ہوتی ہے؟''

''پھوپھو کیا ہو گیا ہے آپ کو؟'' وہ حقیقتاً پریشان ہو گیا تھا۔

''مجھے وہی ہو گیا ہے جو تمہیں شاید سال ڈیڑھ سال سے ہو گیا ہے میں سمجھتی تھی شاید تم نے سچ مچ شہزاد کا احساس کر کے اس سے شادی کی

ہے اس کی زندگی عذاب ہونے سے بچائی ہے شاید تمہارے دل میں کوئی نرم گوشہ تھا لیکن تم نے تو میری سوچوں کی بھرپور نفی کی ہے تم نے تو دراصل شہزاد کو اپنے دل کی بھڑاس نکالنے اس کی غلطیوں کی سزا دینے اور انتقام لینے کے لئے اس سے شادی کی تھی۔

میں تم سے صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اگر اسے یہی سزا دینا تھی اپنے گھر کی چاردیواری میں قید کر کے رکھنا تھا تو کیا وہ اک کمرے کی قید بری تھی اس کے لئے؟ کیا ان قبیلے والوں کی سزائیں کم تھیں جو تم بھی شامل ہو گئے؟ کبھی تمہیں خیال نہیں آیا کہ وہ کن حالات سے گزری ہے اور اس کے ساتھ تمہارا رویہ کیسا ہونا چاہئے؟ تمہیں تو اس سے محبت کا دعویٰ تھا کہاں گئی وہ محبت؟ کیا وہ محبت بھی اک بھول تھی یا پھر تھی ہی نہیں جسے تم نے ہمیشہ لکھ لکھ کر ڈائریوں میں چھپایا اور پھر ان ڈائریوں کو چھپانا بھول گئے؟ آج وہ حقیقتیں کھولنے پہ آئیں تو پھٹ پڑی تھیں تو گویا وہ اس کے راز سے واقف تھیں اور اس کا مطلب تھا کہ میراں بی بی بھی اس کے حال دل سے بخوبی آگاہ تھیں بس اس کا بھرم رکھتی آ رہی تھیں وہ ہمیشہ شہزاد کا رویہ دیکھ کر چپ ہو جاتی تھیں ورنہ دونوں کی شادی کروانا ان کے لئے مشکل تو نہیں تھا..... مکتوم نے ان کی بات سن کر گہری سانس کھینچی اور اپنے اعصاب ڈھیلے چھوڑ دیے تھے اب بھلا کیا چھپانا باقی تھا......؟

''بولو ناں کہاں گئی تمہاری محبت؟'' وہ اس کی خاموشی سے چڑ گئی تھیں۔

''میری محبت ابھی بھی وہیں ہے پھوپھو میں آج بھی شہزاد سے محبت کرتا ہوں اور میری یہ محبت میرے ساتھ میری قبر تک جائے گی لیکن میں اس محبت کا اظہار نہیں کر سکتا نہ اپنی زبان سے نہ اپنے کسی عمل سے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ وہ مجھے کیا سمجھتی ہے اور مجھے کیا درجہ دیتی ہے۔ جس کی نظر میں میرے ماں باپ کی اور میری کوئی عزت اور اہمیت نہیں میری محبت کی بھلا کیا اہمیت ہو گی۔

اور ویسے بھی یہ ضروری تو نہیں کہ ہر بار میں اپنی اور اپنے جذبوں کی توہین کرواؤں وہ میری ہے۔ میرے پاس ہے، میرے لئے یہی کافی ہے اور آپ یہ وہم دل سے نکال دیں کہ میں اسے انتقام لینے اور اسے سزا دینے کے لئے قبول کرنے پہ آمادہ ہوا تھا میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا کیونکہ میں اس کے لئے کچھ بھی نہ سہی لیکن وہ میرے لئے سب کچھ ہے۔'' اس کی انتہائی تحمل سے کہی گئی باتیں مومنہ پھوپھو کو حیران کر گئی تھیں۔

''تو پھر ایسا کیوں کر رہے ہو؟''

''پھوپھو میں نے کچھ نہیں کیا وہ اپنی زندگی جیسے چاہے جیے میں اسے روکنے ٹوکنے کا سوچوں گا بھی نہیں۔''

''چاہے وہ تم سے محبت کرے پھر بھی؟'' انہوں نے چھیڑا تو تلخی سے ہنس دیا تھا۔

''مکتوم تم اس سے بدگمان ہو اس لئے تمہیں اس کی ہر اچھی......؟''

''میں...... میں بدگمان ہوں؟ پھوپھو یہ آپ کہہ رہی ہیں؟ میں بدگماں ہوں کیا ابھی بھی میرا یا پھر میری بدگمانی کا قصور ہے! دس سال ہو گئے مجھے اس کی نفرت اور حقارت سہتے ہوئے دس سال اس نے میری ذات کی دھجیاں اڑائی ہیں دس سال اس نے مجھے ہر نظر میں گرایا ہے اور اپنے پرائے کے سامنے مجھے ذلیل کیا ہے میں نظر اٹھا کر بات کرنا بھول گیا تھا میں ہر مقام سے گر گیا تھا میں حویلی میں رہ کر کھانا پینا سونا جاگنا خود پہ حرام سمجھتا تھا پھوپھو مجھے حقیر کر دیا تھا اس نے مجھے قدموں تلے روندا ہے اس نے۔

میں پاگل ہو جاتا اگر مجھے تائی ماں کا سہارا نہ ملتا انہوں نے ہمیشہ میرے زخموں پہ مرہم رکھا انہوں نے ہمیشہ میرے درد کو سمجھا میں بھی شاید پتھر ہو جاتا مگر اس دل میں محبت اور احساس کی رمق باقی تھی کہ میں نے تائی ماں کے آنسوؤں کا خیال کر کے اس سے شادی کر لی میں اس سے محبت کرتا تھا مگر میں نے اسے پانے کا خواب کبھی نہیں دیکھا تھا کیونکہ میں جانتا تھا اس کی نظر میں کیا ہوں اگر میں اس کو پانے کا سوچتا تو زرینہ کے لئے حامی کبھی نہ بھرتا لیکن یہ بھی شاید اس کے لئے ایک سزا تھی کہ ارمغان کو چھوڑ کر میری بیوی بننا پڑا ورنہ میں جانتا ہوں کہ اگر زرینہ میرے خواب دیکھ سکتی ہے تو شہزاد بھی تو ارمغان کے لئے راضی ہی تھی اگر یہ واقعہ نہ ہوتا تو حالات مختلف ہوتے وہ یقیناً اپنی زندگی میں خوش ہوتی اگر میں نے اسے مجبوراً اپنایا تھا تو اس نے بھی تو مجبوراً مجھے قبول کیا تھا ورنہ مکتوم شاہ جیسے بے ذات شخص کو شوہر بنا لینے کا وہ کبھی بھولے سے بھی نہیں سوچ سکتی تھی۔

جب یہ سارا سودا ہی مجبوری کا ہے تو پھر میں کیوں خواہ مخواہ اس پہ حق جتا تا رہا ہوں میں کبھی بھی اس پہ مسلط نہیں ہونا چاہتا ہر انسان کو اپنی زندگی جینے کا پورا حق ہے میرا دل میری محبت میرے خیالات اپنی جگہ اس کی نفرت عداوت اپنی جگہ اسے مکمل آزادی ہے جیسے چاہے زندگی گزارے میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں شاید آپ سے بھی نہیں......

آپ کو بھتیجی کی فکر ہوئی تو فوراً مجھے ڈانٹ دیا کیا کبھی آپ نے میرے لئے اسے ڈانٹا؟'' غصے سے مشتعل ہوتے مکتوم شاہ کے آخری بوجھل سے فقرے نے مومنہ پھوپھو کا دل مٹھی میں بھینچ ڈالا وہ تڑپ گئی تھی لیکن وہ فون بند کر چکا تھا اور صوفے پہ گرنے کے سے انداز میں بیٹھ گیا یوں لگ رہا تھا آج اس کے وجود پہ کوئی تھکن کا بہت بڑا پہاڑ ٹوٹ پڑا ہو اور وہ اس پہاڑ تلے دبتا جا رہا تھا اس کی کیفیت بے پناہ بوجھل سی ہو گئی تھی۔ جسم و جاں پہ شکستگی غالب آنے لگی تھی اور یہ شکستگی تو کئی سالوں سے اس کے دل کا حصہ بنی ہوئی تھی لیکن گزشتہ سال ڈیڑھ سال سے اس میں اضافہ ہو گیا تھا اور آج تو......

موبائل دوبارہ بجنے شروع ہو چکا تھا اس نے بند آنکھوں کے باوجود موبائل کا کینسل کا بٹن دبا دیا اور ہر طرف خاموشی ہو گئی۔ کچھ دیر بعد پھر اس کا شور شروع ہو گیا اور اس نے بنا دیکھے ہی کان سے لگا لیا تھا۔

''دیکھو بیٹا تم اپنے مقام پہ غلط نہیں ہو مگر جو گزر چکا ہے اسے بھلا دینا ہی بہتر ہوتا ہے وہ جیسی بھی تھی اب تمہاری بیوی ہے اور تمہاری بیوی بن کر اسے کوئی ملال نہیں وہ بہت خوش ہے اور اپنی گزشتہ کوتاہیوں اور غلطیوں پہ نادم ہے وہ غلط تھی تب ہی آج تک تمہارے سامنے اس کی نظر جھکی ہی رہی ہے تم نے جو کہا جو کیا اس نے شکایت نہیں کی۔

دیکھو بیٹا ضروری نہیں ہر محبت کرنے والے کا دل اور صبر تمہارے جیسا ہی ہو وہ نازک احساسات رکھنے والی نازک سی لڑکی ہے زیادہ دیر محبت میں بے رخی نہیں سہہ سکتی جہاں تم نے اتنے سال اپنے دل کو اور ظرف کو وسیع کئے رکھا وہاں اب ایسا کرنے میں بھی کنجوسی مت کرو...... وہ تمہارے لئے زمین بن گئی ہے اس کا آسمان بن جاؤ اسے مان بخش دو اور اپنی محبت کو صرف ڈائریوں میں ہی نہیں دلوں پہ لکھنے کا فن سیکھو۔ محبت کاغذوں میں رہی تو بوسیدہ ہو جائے گی دلوں میں رکھو گے تو تازہ رہے گی اور ویسے بھی آج کل اس حالت میں اسے تمہاری محبتوں کی تازگی اور اپنائیت کی ضرورت ہے اس کا خیال رکھو تمہارا ہی فائدہ ہے۔

ڈاکٹر نے بتایا ہے وہ کمزور ہے اور ذہنی دباؤ بھی ہے کل اس کا دوبارہ چیک اپ کروانا اور دوبارہ شکایت کا موقع نہ دینا کیونکہ وہ اب پہلے والی شہرزاد نہیں ہے وہ اب صرف اور صرف تیری دیوانی ہے اور اس کی دیوانگی کا یہ حال ہے کہ تمہاری اک اک بات اور بے رخی بتا کر رو رہی تھی وہ صبر کرنے والوں میں سے نہیں ہے اور نہیں سہہ سکتی جو ہو گیا محبت کے صدقے بھلا دو اللہ تمہیں خوش رکھے گا اور تم انشاء اللہ بہت کامیاب زندگی گزارو گے بس دل صاف اور کشادہ کر کے دیکھو......''

انہوں نے اللہ حافظ کہہ کے فون بند کر دیا تھا لیکن مکتوم کے لئے حیرتوں اور بے یقینی کے جہاں چھوڑ گئی تھیں ان کے الفاظ اس کے دماغ میں ہلچل مچانے لگے تھے اک اک لفظ ذہن کے پردے پہ ناچ رہا تھا۔ محبت، شہرزاد، شکایت...... حالت، ڈاکٹر چیک اپ، دیوانگی، صبر، صدقہ، وہ اک اک لفظ پہ چکرا رہا تھا اور پھر جھٹکے سے اٹھ کر ڈرائنگ روم سے اپنے بیڈروم کی سمت بھاگا تھا اندر آیا تو قدم تھم گئے وہ قالین پہ بیڈ سے ٹیک لگائے بیٹھی گھٹنوں میں منہ دیئے دھواں دھار رو رہی تھی مکتوم کو اس کے رونے کی سمجھ نہ آئی وہ قریب چلا آیا تھا۔

''شہرزاد......'' ابھی اس نے پکارا ہی تھا کہ وہ سچ مچ بکھر گئی۔

''مجھے معاف کر دیں...... مجھے معاف کر دیں میں آپ کی گناہ گار ہوں...... میں بدقسمت تھی اپنی ہی چیز اپنے قدموں سے ٹھکراتی رہی اس کی تذلیل کرتی رہی......'' اس نے مکتوم کے پاؤں پکڑ لئے تھے اور وہ ہل گیا اس کی شہرزاد اس کے قدموں میں......

''یہ کیا کر رہی ہو؟'' اس نے جھک کر اسے اٹھایا اور اپنے سامنے کھڑا کر دیا۔

''میں میں ساری زندگی آپ کے قدموں میں گزار دوں تو بھی معافی کی حق دار نہیں بن سکتی میں نے سچ مچ بہت گناہ کیے ہیں لیکن...... لیکن مکتوم آپ نہیں جانتے کہ اس میں میرا بھی اتنا قصور نہیں جتنا ندرت چاچی اور زرینہ وغیرہ کا تھا۔''

وہ ٹھٹکا اور چونک کر دیکھا تھا۔

''شاید...... ندرت چاچی کو اندازہ ہو گیا تھا کہ ارمغان لالا مجھے پسند کرتے ہیں جبکہ بابا سائیں اور اماں سائیں کا رجحان آپ کی طرف تھا۔ وہ شاید میری شادی آپ سے ہی کرنا چاہتے تھے اسی لئے ندرت چاچی نے بیٹے کا رستہ صاف کرنے کے لئے مجھے آپ کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا اس کام میں زرینہ اور کبھی کبھی حسان اور ارمغان وغیرہ بھی شامل ہوتے تھے اور انہوں نے کچھ اس طرح مجھے بدظن کیا کہ میں آپ سے چڑنے لگی کیونکہ اماں سائیں اور بابا سائیں ہم بہن بھائیوں سے بھی زیادہ پیار اور توجہ آپ کو دیتے تھے اور اس ناانصافی کا غصہ میں آپ پہ اتارنے لگی تھی میری ماں کا مجھ پہ اثر نہیں ہوا مگر چاچی مجھے اپنے رنگ میں رنگ گئیں میں وہی کچھ بولنے لگی جو وہ بولتی تھیں لیکن جب رشتوں کی بات ہوئی اور آپ کا رشتہ زرینہ سے طے ہوا تو وہ لوگ کافی خوش تھے اور میں حیران تھی ان کو جائیداد کا تنہا وارث مل رہا تھا خیام چچا کی ساری پراپرٹی صرف آپ کی ہی تو تھی اور یوں ان کے ایک تیر دو نشانے لگے، بیٹی بھی اور بیٹا بھی مگر میرے کڈنیپ کے بعد ان کے رنگ ہی بدل گئے تھے، وہ نظر ملانا بھول گئے تھے۔

بے شک...... میرا رشتہ ارمغان لالا سے طے ہوا تھا لیکن میں خوابوں میں رہنے والی لڑکی نہیں تھی میں نے کبھی ان کے حوالے سے کچھ نہیں سوچا کیونکہ انسان اسی کے متعلق سوچتا ہے جس کے ساتھ کوئی دل کا دھاگہ بندھا ہو جبکہ میرے لئے وہ ارمغان لالا ہی تھے جب تک شادی نہ ہوتی

میں محبت کا نہیں سوچ سکتی تھی...... جب شادی ہوگی تو پھر تو محبت بھی ہو جائے گی۔

میں اپنے دل کو محبت سے نہیں بچا سکی میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی میں آپ کی بے رخی سے مر جاؤں گی میرا بھی کوئی اپنا نہیں آپ کے سوا...... پلیز مجھے معاف کر دیں پلیز۔''

وہ اس کے سامنے ہاتھ جوڑ رہی تھی اور مکتوم شاہ سکتے کی سی کیفیت میں کھڑا تھا اور اسے خاموش دیکھ کر اسے پھر سے رونا آنے لگا وہ اس شخص کے سامنے تمام عمر بھی ہاتھ جوڑے کھڑی رہتی تو اُف نہ کرتی آج وہ اس کی محبت کی جھلک دیکھ چکی تھی اس محبت کی جو وہ شہزاد سے بھی چھپائے پھر رہا تھا لیکن مومنہ پھوپھو اور مکتوم شاہ کے درمیان ہونے والی گفتگو نے آج یہ راز بھی عیاں کر دیا تھا وہ سب کچھ سن چکی تھی جب ہی ندامت کا احساس حد سے زیادہ تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ مایوس ہو جاتی مکتوم نے اس کے ہاتھ تھام کر انتہائی محبت اور شدت سے چوم لئے تھے اور پھر اسی شدت سے کھینچ کر بانہوں میں بھینچ لیا تھا۔

❁......❁......❁

یہ بدن یہ نگاہیں میری امانت ہیں
یہ گیسوؤں کی گھنی چھاؤں ہے میری خاطر
یہ ہونٹ اور یہ بانہیں میری امانت ہیں
کبھی کبھی میرے دل میں خیال آتا ہے
کہ جیسے تجھ کو بنایا گیا ہے میرے لئے

وہ سرگوشی کے انداز میں گنگناتا اس کا ہاتھ اپنے دل پہ رکھے ہوئے تھا اور شہزاد اس کے بازو پہ سر رکھ کر لیٹی سونے کی تیاری کر رہی تھی مگر وہ آج شاید سونے کے موڈ میں نہیں تھا۔

''سو جائیں مجھے بھی نیند آ رہی ہے۔'' اس نے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا مگر مکتوم نے اس کا ہاتھ چھوڑنے کی بجائے اپنے رخسار پہ رکھ لیا تھا۔

''یار مجھ سے باتیں کرو مجھے ابھی نیند نہیں آ رہی۔'' اس کا سچ مچ ابھی سونے کا ارادہ نہیں تھا کہ اس سے باتیں کرنا چاہتا تھا مگر شہزاد کی آنکھوں پہ نیند کی دیوی بری طرح سے مہربان ہو چکی تھی اور پھر اس کی گلابی آنکھوں کو دیکھ کر وہ بے ساختہ مسکرایا۔

''اوکے سو جاؤ'' وہ اس کے بالوں کو سہلانے لگا لیکن کچھ دیر بعد بے ساختہ کچھ یاد آنے پہ پکار بیٹھا تھا۔

''شہزاد پھوپھو بتا رہی تھیں تم ڈاکٹر کے پاس گئی ہو اور ابھی دوبارہ چیک اپ کروانا ہے کیا ہوا ہے؟ تم ٹھیک تو ہو؟'' وہ اس کے اچانک پکارنے پہ ایک دم نیند کے شکنجے سے باہر آئی تھی پھر ٹھٹک گئی اور پھر اس کی بات سمجھ کر جھجک گئی تھی۔

''آپ پھوپھو یا پھر مسز کاظمی سے پوچھ لیجئے گا میں مسز کاظمی کے ساتھ ہی ان کی ڈاکٹر کے پاس گئی تھی۔'' اس نے اسے ٹالنا چاہا۔

''کیوں کوئی پریشانی والی بات ہے؟'' وہ متفکر ہوا۔

''نہیں بلکہ خوشی والی بات......'' وہ کہتے کہتے لب کاٹنے لگی کمرے میں ملگجا سا اندھیرا نہ ہوتا تو وہ اس کے چہرے پہ بکھرنے والی شرم کی سرخی سے ہی کچھ سمجھ جاتا لیکن اس وقت تو بنا بتائے کوئی راستہ نہیں تھا۔

''ہاں بولو چپ کیوں ہوگئی ہو؟''

''وہ میں...... پریگ...... آ...... آپ سمجھ کیوں نہیں جاتے؟'' وہ جھنجھلا گئی تھی۔۔

''ہاں اب کہہ بھی دو۔'' وہ اس کے اصرار کے باوجود بول نہیں پا رہی تھی اور اس کی جھجک سے مکتوم کے دماغ میں جھماکا ہوا تھا۔

''میں بابا بننے والا ہوں یہی کہنا چاہتی ہو ناں؟ اس نے شرارت سے پوچھا تو شہزادا اثبات میں سر ہلا کر جھجکتے ہوئے اس کے گریبان میں چہرہ چھپا گئی تھی اور وہ خوشی سے مسرور ہو رہا تھا۔

''تھینک یو شہزادا تم نے میرے سارے گلے شکوے میری ساری تشنگی مٹا دی ہے، اے اللہ میں تیرا گناہ گار بندہ اس قابل نہیں تھا جتنا تو نے مجھے نواز دیا ہے۔ میرے گناہ معاف کر دے......'' وہ خوشی کے ان لمحات میں اپنے رب کا شکر گزار ہو رہا تھا۔

''آؤ فون کرتے ہیں۔'' وہ یکدم اٹھ کر بیٹھ گیا تھا آج وہ اتنا خوش تھا کہ اتنی خوشیاں سنبھالی نہیں جا رہی تھیں اور وہ ان خوشیوں کو سب کے ساتھ بانٹنا چاہتا تھا۔

''کس کو؟''

''تائی ماں کو......''

''ہاں اٹھو......'' وہ اسے اٹھا کر فون سیٹ قریب کھینچ چکا تھا۔

''اگر کسی کو پتہ چلا گیا تو؟'' شہزادا کو تشویش ہوئی تھی۔

''ہم اپنی ماں سے بات کریں گے پتہ چلتا ہے تو چلتا رہے ہم نے وہ گاؤں وہ قبیلہ اور حویلی چھوڑی ہے اپنے ماں باپ اور رشتے تو نہیں چھوڑے کم آن یار نمبر ڈائل کرو۔'' وہ اسے نمبر ڈائل کرنے کا کہہ رہا تھا اور پھر رات کے تین بجے متواتر بجتے فون کو میراں بی بی نے ہی ریسیو کیا تھا۔

''آپ نانی بننے والی ہیں۔'' مکتوم نے چھوٹتے ہی سسپنس پھیلانے والے گھمبیر انداز اور لہجے میں کہا تھا اور میراں بی بی ہکا بکا رہ گئی تھیں جبکہ شہزادا اس کی شرارت پر ہنسی روک رہی تھی۔

''کون ہو تم؟''

''آپ کا بیٹا جو باپ بننے والا ہے۔''

''مکتوم؟'' وہ خوشی سے چلائیں۔

''جی تائی ماں آپ کا مکتوم آپ کا بیٹا آپ کا داماد، کیسی ہیں آپ؟'' وہ اب اپنے اصل لہجے میں لوٹ آیا تھا اور پھر شہزاد بھی باتوں میں

شریک ہوگئی کبھی وہ فون چھین لیتا اور کبھی وہ جھپٹ لیتی تھی اس طرح باتوں اور شرارتوں میں مگن رات گزرنے کا پتہ ہی نہ چلا تھا شاید خوشیوں میں یہی حال ہوتا ہے لمحے ہواؤں کے جھونکے کی مانند گزرتے چلے جاتے ہیں سب کچھ سہل سا لگنے لگتا ہے بالکل ایسے جیسے انسان کے سینے سے غم کا پہاڑ سرک جائے تو وہ کھلی فضاؤں میں لمبی لمبی خوشگوار سی سانسیں لینے لگتا ہے ان کے دلوں سے بھی غم، کدورت اور شکایتوں کے پتھر ہٹ گئے تھے وہ بھی خوشی کی فضا پا کر کھل کر جی رہے تھے اور اس جینے میں ان کا بیٹا بھی شامل ہو چکا تھا۔

جس روز شہزاد نے خوبصورت سے بیٹے کو جنم دیا اسی روز تو قیر شاہ میراں بی بی اور بی بی جان کو سب سے چھپ کر ملانے کے لئے لے آئے تھے پیر سائیں ملنے نہیں آئے تھے مگر اپنے نواسے اور پوتے کا عقیقہ بڑی دھوم دھام سے کیا تھا۔

پہلی سالگرہ پہ مومنہ پھوپھو اور ان کی فیملی مکتوم اور شہزاد کے گھر رہنے کے لئے آئی تھی وہ بے پناہ خوش تھے کیونکہ ان کے اپنے بھی ان کی خوشیوں میں شریک ہوتے رہتے تھے بس ابھی باقاعدہ نہیں آئے تھے مگر انہیں یقین تھا کہ ایک نہ ایک دن وہ سب ان سے ملنے سب کے سامنے آئیں گے اور تمام تر فرسودہ اور جاہلانہ رسم و رواج اپنا وجود کھو بیٹھیں گی کیونکہ آدھا وجود تو ابھی بھی کھو ہی چکا تھا صرف آدھا باقی تھا اور اس آدھے جاہلانہ پن کو ختم کرنے کے لئے کسی اور بہادرانہ اور ٹھوس فیصلے کی دیر تھی بس کسی اور کو قدم آگے بڑھانا تھا صرف ایک قدم ایک فیصلہ اور پھر اس قدم پہ اور اس فیصلہ پہ قائم رہنا تھا اپنی ذات پہ اعتماد رکھنا تھا اور اپنے رب پہ یقین کامل۔